جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ
جنوری ۲۰۲۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوتِ فکرِ اسلامی

دینِ اسلام کے تقاضے
اور ان کی ادائیگی کا لائحہ عمل

امام یحییٰ بن شرف الدّین النّوویؒ کے مجموعۂ احادیث

اربعینِ نوویؒ

کی تشریح و توضیح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کے خطاباتِ جمعہ

❁ دیدہ زیب ٹائٹل ❁ امپورٹڈ بک پیپر ❁ معیاری طباعت
❁ 852 صفحات ❁ دو حصوں پر مشتمل ضخیم کتاب
❁ قیمت 600 روپے

خود پڑھیے ..... احباب
کو تحفہ میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501
email: maktaba@tanzeem.org website: www.tanzeem.org

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 69

شمارہ : 1

جُمادیٰ الاُولیٰ 1441ھ

جنوری 2020ء

فی شمارہ -/40

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 400 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org
رابطہ برائے ادارتی امور: +92 322 4585384
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ــــــــــــ 5
دو قومی نظریہ کی حقانیت
ادارہ

بیانُ القُرآن ــــــــــــ 9
سورۃ الشّوریٰ (آیات ۲۱ تا ۵۳)
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوتِ فکرِ اسلامی ــــــــــــ 33
دینِ اسلام کے تقاضے اور ان کی ادائیگی کا لائحہ عمل
شجاع الدین شیخ

احسن القصص ــــــــــــ 63
حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغام: نوجوانانِ اسلام کے نام
محمد رشید عمر

زمرۂ لَا یَحْزَنُوْنَ ــــــــــــ 77
''اولیاءُ اللہ'' کون لوگ ہیں؟
پروفیسر عبداللہ شاہین

تذکیر و موعظت ــــــــــــ 91
انفاق فی سبیل اللہ اور بخل
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دوقومی نظریہ کی حقانیت

بھارت کی انتہا پسند ہندو حکومت نے اپنی اسمبلیوں سے ایک ایسا قانون پاس کروالیا ہے جس کے مطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء سے قبل بھارت میں داخل ہونے والے کسی بھی غیر مسلم کو غیر قانونی مہاجر قرار نہیں دیا جائے گا۔ بظاہر یہ قانون غیر مسلموں کے حوالے سے ہے' لیکن حقیقت میں یہ قانون بھارتی مسلمانوں کے حق شہریت کو متنازعہ بنانے کے لیے پاس کیا گیا ہے' جس کا صاف مطلب یہ لیا جائے گا کہ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء سے قبل بھارت میں داخل ہونے والا کوئی بھی مسلمان غیر قانونی مہاجر کہلائے گا۔ نریندر مودی اور اس کی سرکار کے دیگر لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس قانون سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ کہتے ہیں یہ قانون ہندوستانی روایات کا علمبردار ہے کہ بھارت نے پڑوسی ملکوں کی غیر مسلم اقلیتوں کو گلے لگایا ہے۔ لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو اسی قانون نے خود بھارت میں موجود مسلمان اقلیت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اسے کہتے ہیں ''بغل میں چھری' مُنہ میں رام رام''۔ بھارت کی ریاست نے حقیقی معنوں میں اس ہندوانہ محاورے کو سچا ثابت کر دیا ہے۔

ایک طرف بھارت نے اپنی مسلمان اقلیت کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا ہے اور دوسری طرف وہ بات بنگلہ دیش' پاکستان اور افغانستان کی غیر مسلم اقلیتوں کی کرتا ہے۔ چنانچہ بھارت کے اس متنازع قانونِ شہریت پر بھارت بھر میں مظاہرے ہو رہے ہیں' جن میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کئی غیر مسلم طبقات بھی شامل ہیں۔ ان مظاہرین کا کہنا ہے کہ یہ قانون بھارتی آئین کے خلاف ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک یہ اینٹی مسلم قانون ہے جس کے تحت بھارتی انتہا پسند حکومت بھارت کی سرزمین مسلمانوں کے لیے تنگ کرنا چاہتی ہے۔ حقیقت میں یہ مودی کی انہی مسلم مخالف پالیسیوں کا تسلسل ہے جس کا گجرات سے آغاز کر کے وہ دوسری مرتبہ وزیراعظم کے عہدے تک پہنچا ہے۔ ان مظاہروں میں بڑے پیمانے پر توڑ پھوڑ کے واقعات

بھی سامنے آ رہے ہیں۔ واقعات کی نوعیت سے لگتا ہے کہ بھارتی سرکار اس موقع سے دُہرا فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کو مشتعل کر کے مظاہروں پر اُکسا رہی ہے اور دوسری طرف ان مظاہروں کی آڑ میں تخریبی کارروائیاں کر کے اس کا الزام بھی مسلمانوں پر لگا رہی ہے تاکہ سری لنکا کے مسلمانوں کی طرح بھارت کے پُرامن مسلمانوں کی ساکھ کو بھی متنازعہ بنایا جا سکے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل سری لنکا کے مسلمانوں کے خلاف بھی اسی طرح کے ہتھکنڈے مظاہروں کی آڑ میں استعمال ہو چکے ہیں اور اس میں بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کا ہاتھ کسی سے پوشیدہ نہیں رہا' جب کہ بھارت کی ان تمام مسلم مخالف پالیسیوں کے پیچھے اسرائیل کا ہاتھ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اسرائیل کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بھارت نے شہریت کا متنازع قانون بنا کر دوقومی نظریہ کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اب وہ لوگ بھی اس نظریہ کے حق میں گواہی دیتے نظر آ رہے ہیں جو شروع سے پاکستان اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے۔ بھارت کے اندر سے صدائیں گونجنے لگی ہیں کہ محمد علی جناح کا دوقومی نظریہ درست تھا۔ یہاں تک کہ بھارت کی معروف مسلم سیاسی شخصیات' جنہوں نے کبھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا' آج وہ بھی گواہی دے رہے ہیں کہ جناح کا نظریہ درست تھا۔ ان میں سرفہرست سابق وزرائے اعلیٰ کشمیر شیخ فاروق عبداللہ اور محبوبہ مفتی ہیں جنہوں نے ۵/اگست کو بھارتی سرکار کی جانب سے کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کرنے کے بعد واضح طور پر کہا کہ ہم نے بھارت کو سمجھنے میں غلطی کی تھی اور انہوں نے کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ جناح کا دوقومی نظریہ کا تصور درست تھا۔ یاد رہے کہ فاروق عبداللہ شیخ عبداللہ کے فرزند ہیں جنہوں نے کشمیر کا الحاق پاکستان کی بجائے بھارت کے ساتھ کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اسی طرح بھارتی شہریت کا متنازع قانون بننے کے بعد ہندوستان کے معروف مسلمان لیڈر اسد الدین اویسی نے بھی اعلانیہ کہا ہے کہ آج ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جناح کا دوقومی نظریہ درست تھا۔

لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں آج بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان بس ایک سرحد کی لکیر ہے' ورنہ ہماری زبان ایک ہے' کلچر ایک ہے' ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں' وغیرہ۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم کبھی بھی ایک نہیں تھے۔ اصل میں دوقومی نظریہ

اس دن ہی وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان کے پہلے فرد نے اسلام قبول کیا تھا۔ اسلام لاتے ہی گویا اس کا رشتہ ہندوستان کی بُت پرست اور مشرکانہ تہذیب‘ ثقافت‘ رسوم و رواج اور مذہبی اقدار سے کٹ چکا تھا اور اس کی جگہ وہ اسلامی تہذیب‘ روایات‘ معاشرت اور ثقافت کے دامن میں آ گیا تھا‘ جہاں ہر چیز ہندوستان اور ہندو قوم کے روایتی کلچر سے الگ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں نے کبھی ہندوستان میں اقلیتوں کو الگ نہیں کیا تھا‘ بلکہ مسلم حکمرانی کے دور میں ہندوستان کے تمام غیر مسلموں کو ہر طرح کے حقوق دیے گئے۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ساڑھے چھ سو سالہ مسلم حکمرانی کے باوجود مسلمان اقلیت میں رہے‘ کیونکہ انہوں نے کبھی غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ اگر آج جس طرح بھارت کی انتہا پسند ہندو حکومت ریاستی سطح پر مسلمانوں کو کچلنے‘ زبردستی ہندو بنانے اور دیس نکالا دینے پر تلی ہوئی ہے‘ اگر ساڑھے چھ سو سال میں کوئی ایک مسلم حکمران بھی اس طرح کا رویہ اختیار کرتا تو آج ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا‘ مگر تاریخ گواہ ہے کہ کبھی کسی ایک مسلم حکمران نے بھی ہند میں غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کی پامالی نہیں کی بلکہ انہیں مکمل تحفظ دیا۔

اس کے برعکس جیسے ہی ہندوؤں کو انگریز کی سرپرستی میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کے تمام سیاسی‘ مذہبی اور معاشی حقوق چھین لینے کی حتی الوسع کوشش کی‘ جس کی سب سے بڑی مثال ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد ساری دنیا کے سامنے آئی‘ جب کانگریس نے سات صوبوں میں انتخابات جیت کر حکومت بنائی تو اس کے بعد انہوں نے سب وہ اقدامات کیے جس سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا گلا گھونٹا جا سکے۔ یہاں تک کہ سکولوں میں بندے ماترم کا ترانہ گانا مسلمانوں کے لیے لازم قرار دے دیا گیا‘ دفتروں اور سکولوں میں گاندھی کے پورٹریٹ آویزاں کر دیے گئے اور خاص طور پر سکولوں میں آرڈر جاری کیا گیا کہ صبح آتے ہی گاندھی کے اس پورٹریٹ کو سیلوٹ کیا جائے۔ اسی طرح اردو کی جگہ سنسکرت کو سرکاری زبان قرار دے دیا گیا۔ پھر معاشی سطح پر بھی مسلمانوں کا دانستہ استحصال کرنے کی پالیسی اپنائی گئی۔ ملازمتوں اور روزگار کے لیے بھی ہندوؤں کو ترجیح اوّل مل گئی۔ اس کے نتیجے میں مسلمان دو قومی نظریہ کی سچائی کو اسی وقت جان گئے تھے‘ اور وقت نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ

ان کا فیصلہ درست تھا۔

آج بھارت میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں کہ انہیں ریاستی سطح پر شہری بھی تسلیم نہیں کیا جا رہا‘ ان کے حقوق سلب کر لیے گئے ہیں‘ نہ گھر محفوظ ہیں‘ نہ کاروبار‘ نہ روزگار اور نہ ہی مسلم عورتوں کی عزتیں محفوظ ہیں‘ ہندو انتہا پسند حکومت ’’ہندوتوا‘‘ کا نعرہ لگا کر بھارت کو مسلمانوں سے خالی کرنا چاہتی ہے‘ ان حالات میں ہمارے سیکولر اور لبرل طبقے کے لوگ جو ہمیشہ نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتے آئے ہیں‘ کیا ان کے لیے یہ سبق نہیں ہے کہ ہم نظریہ پاکستان کی حقانیت کو تسلیم کر لیں جبکہ آج اس کے بدترین مخالفین بھی اسے تسلیم کر رہے ہیں؟

پاکستان کی بنیاد ہی کلمہ طیبہ پر ہے۔ ہم نے اسی بنیاد پر زندہ رہنا ہے اور اسی بنیاد پر ہماری کامیابی ہوگی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یہاں نظریہ پاکستان کے مطابق اپنا سیاسی‘ معاشی اور معاشرتی نظام قائم کریں‘ اسلام کے نظامِ عدل وقسط کو قائم کریں اور دنیا کے سامنے اسلامی سیاسی‘ معاشی اور معاشرتی نظام کا ایک نمونہ قائم کر کے دکھائیں کہ یہ ہے وہ فطری نظام جو تمام انسانوں کے حقوق کا حقیقی محافظ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھالیں‘ اپنے گھروں پر اسلام کو نافذ کریں اور پھر معاشرے میں اسلام کے سنہری اصولوں کو لاگو کرنے کی جِدّوجُہد میں حصہ لیں۔ غیر اسلامی رسوم و رواج کو اپنے ہاں سے ختم کریں۔ انڈین فلموں‘ گانوں اور ٹی وی ڈراموں کا بائیکاٹ کریں اور ہر لحاظ سے اپنی وفاداری اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے قائم کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو! ❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 55 روپے اشاعت عام: 30 روپے

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الشُّوریٰ

آیات ۲۱ تا ۳۵

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ
الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تَرَى
الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ
يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ
الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝
وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ
وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي
الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ وَهُوَ
الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيْدُ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ
دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا
كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ

كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰي ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝
وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

آیت ۲۱ ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ﴾ ''کیا ان کے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا کوئی ایسا راستہ طے کر دیا ہو جس کا اِذن اللہ نے نہیں دیا؟''

شرک کے حوالے سے یہ نکتہ قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ مشرک لوگ جنہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اللہ نے ان کے لیے نہ تو کوئی سند اتاری ہے اور نہ ہی کسی الہامی کتاب میں ان کے لیے کوئی دلیل موجود ہے۔ اس سورت کا عمود چونکہ نظامِ شریعت (میزان) سے متعلق ہے اس لیے یہاں شرک کا ابطال اس مضمون کی دلیل کے ساتھ بالکل منفرد انداز میں آیا ہے کہ اللہ نے تو اپنے بندوں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات نازل کیا ہے۔ تو ذرا یہ لوگ بھی بتائیں کہ ان کے معبودوں نے ان کے لیے زندگی میں کیا راہنمائی فراہم کی ہے؟ کیا ان معبودوں نے بھی اپنے پجاریوں کو باقاعدہ کوئی کتاب دی ہے؟ کیا لات، منات اور ہُبل نے بھی اپنے عقیدت مندوں کے لیے کوئی شریعت وضع کی ہے یا انہیں باقاعدہ کوئی نظام دیا ہے؟ اور اگر ان نام نہاد معبودوں نے اپنا کوئی دین یا ضابطہ حیات اپنے ماننے والوں کو کبھی دیا ہی نہیں تو وہ کس حیثیت سے آخر معبود بنے بیٹھے ہیں؟ اور ان کے پجاری آخر کس بنیاد پر ان کی پوجا کیے جا رہے ہیں؟

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۱﴾ ''اور اگر ایک قطعی حکم پہلے سے طے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ظالموں کے لیے تو بہت دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۲۲ ﴿تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا﴾ ''تم دیکھو گے ان ظالموں کو کہ وہ اپنے کرتوتوں کے سبب ڈر رہے ہوں گے''

قیامت کے دن کفار و مشرکین اپنے غلط عقائد اور برے اعمال کے سبب خوف زدہ ہوں گے۔ دراصل نیکی و بدی کے بارے میں انسان کا ضمیر بہت حساس ہے: ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى

نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ (القیامۃ) ''بلکہ انسان اپنے نفس پر خود گواہ ہے''۔ یہ آیت بہت واضح انداز میں ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی ضمیر اپنے اندر کی گہرائیوں میں جھانک کر بغیر کسی مصلحت اور تعصب کے غلط اور درست کی نشاندہی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام غلط کار انسان اپنے اعمال کو دیکھتے ہوئے حساب و کتاب سے پہلے ہی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔

﴿وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ﴾ ''اور وہ ان کے اوپر پڑنے والا ہوگا۔''

ان کے عقائد و افعال کا وبال ان کے سروں پر گرنے والا ہوگا۔ لیکن دوسری طرف اہلِ ایمان کی کیفیت اس کے برعکس ہوگی:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ پر کاربند رہے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے۔''

﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾﴾ ''ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ یہی (ان کے لیے) بہت بڑی فضیلت ہوگی۔''

آیت ۲۳ ﴿ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ﴾ ''یہ ہے وہ (انجامِ نیک) جس کی بشارت دے رہا ہے اللہ اپنے اُن بندوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔''

﴿قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا''

میں سالہا سال سے تم تک یہ پیغام پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں مگر میں نے کبھی تم لوگوں سے اس کا کوئی صلہ یا انعام طلب نہیں کیا۔

﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ﴾ ''سوائے قرابت داری کے لحاظ کے۔''

اہلِ تشیع نے ان الفاظ کا یہ مطلب نکال لیا ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے اپنے قرابت داروں (حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم) سے محبت کا تقاضا کیا گیا ہے۔ لیکن جس وقت مکہ معظمہ میں سورۃ الشوریٰ نازل ہوئی اُس وقت حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی تک نہیں ہوئی

تھی۔ سیاق و سباق میں اس آیت کا درست اور منطقی مفہوم یہ ہے کہ میں تم لوگوں سے کسی اور صلے کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم لوگ (یعنی قریش) اُس قرابت داری کا تو لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ آخر میں تمہارے قبیلے اور تمہاری برادری کا ایک فرد ہوں اور عرب روایات کے مطابق اس تعلق اور قرابت کے خصوصی حقوق متعین ہیں۔ چنانچہ عرب تہذیب و روایات کے مطابق تمہاری شرافت و نجابت سے مجھے یہ توقع تھی کہ تم لوگ میرے معاملے میں قرابت داری کے فطری تقاضوں کا لحاظ رکھو گے، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ تم لوگوں نے ضِدم ضِدا میں ان تمام تقاضوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے اور قرابت داری کے میرے فطری اور بنیادی حقوق کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔

﴿وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾﴾ ''اور جو کوئی بھلائی کمائے گا تو ہم اس کے لیے اس میں بھلائی کا اضافہ کرتے رہیں گے۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت قدر دان ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۚ﴾ ''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑ لیا ہے؟''

یعنی یہ کہ محمد (ﷺ) نے قرآن خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

﴿فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ﴾ ''تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر لگا دے۔''

یہ خطاب بظاہر محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن اصل میں مخالفین کو سنانا مقصود ہے کہ یہ قرآن وحی کی صورت میں محمد (ﷺ) کے قلب پر نازل ہو رہا ہے۔ یہ خالص ایک وہبی صلاحیت ہے اور آپؐ کو اس بارے میں ہرگز کوئی اختیار نہیں ہے۔ کجا یہ کہ آپؐ خود اس کو گھڑیں یا تصنیف کریں۔ چنانچہ اگر اللہ چاہے تو یہ صلاحیت آپؐ سے واپس لے کر آپؐ کے قلب پر مہر کر دے اور آپؐ پر وحی آنا بند ہو جائے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے:

﴿وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس (قرآن) کو جو ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف، پھر آپ نہ پائیں گے اپنے لیے اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

﴿وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ﴾ ''اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور

حق کا حق ہونا ثابت کر دیتا ہے اپنے کلمات سے۔''

یہ اللہ کی سنت اور اس کا اٹل قانون ہے' لیکن اس کے ظہور میں اللہ کی مشیت کے مطابق وقت لگتا ہے۔ جیسے حضور ﷺ کی دعوت کے حوالے سے اللہ کی اس سنت کا ظہور پہلی دفعہ غزوۂ بدر کے میدان میں اس وقت عمل میں آیا جبکہ دعوت کو شروع ہوئے چودہ برس گزر چکے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے ذریعے حق و باطل کے مابین فرق کو واضح اور مبرہن کر کے نہ صرف یومِ بدر کو یوم الفرقان (الانفال:۴۱) قرار دیا گیا بلکہ اس غزوہ کا بنیادی مقصد بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہی بتایا گیا: ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸﴾ (الانفال) ''تاکہ سچا ثابت کر دے حق کو اور جھوٹا ثابت کر دے باطل کو' خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۴﴾ ''یقیناً وہ واقف ہے اس سے بھی جو کچھ سینوں کے اندر پوشیدہ ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲۵﴾ ''اور وہی ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی بہت سی برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

آیت ۲۶ ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور وہ دعائیں قبول کرتا ہے ان لوگوں کی جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور اپنے فضل سے انہیں (ایمان واعمالِ صالحہ میں) ترقی بھی دیتا ہے۔''

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۲۶﴾ ''اور کافروں کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور اگر اللہ کشادہ کر دیتا رزق اپنے سب بندوں کے لیے تو وہ زمین میں سرکشی کرتے''

یقیناً اللہ کے خزانے بہت وسیع ہیں' لیکن اگر وہ ان خزانوں کو سب کے لیے کھول دیتا اور ہر کسی کو اس کی خواہش اور مرضی کے مطابق بافراغت اور بسہولت رزق ملنا شروع ہو جاتا تو انسانوں کی اکثریت اللہ سے سرکشی پر اُتر آتی۔ کیونکہ اب جب کہ دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے دن رات مشقت میں جُتے رہنے کے باوجود بھی ان میں سے اکثر اللہ کے نافرمان ہیں تو

فکر معاش سے فراغت تو ان کو بالکل ہی باغی بنا دیتی۔

﴿وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷﴾ ''لیکن اللہ نازل کرتا ہے ایک اندازے کے مطابق جو چاہتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے باخبر' ان کو دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔''

خشک سالی میں فصلوں کی آبیاری کا وقت ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر جب کسانوں کے دلوں میں مایوسی کے سائے گہرے ہونے لگتے ہیں تو اچانک اللہ کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے اور بادل بارش کی نوید لے کر پہنچ جاتے ہیں۔

﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۸﴾ ''اور وہی ہے جو (اپنے بندوں کا) مددگار ہے اور وہ اپنی ذات میں آپ ستودہ صفات ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ﴾ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان دونوں میں اُس نے جو جان دار پھیلا دیے ہیں۔''

یعنی آسمانوں میں فرشتے جبکہ زمین اور اس کی فضا میں موجود بے شمار مخلوقات اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔

﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹﴾ ''اور وہ جب چاہے ان سب کو جمع کرنے پر قادر ہے۔''

اس نے اپنی مرضی اور مشیت سے ان سب کو زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلا رکھا ہے۔ البتہ جب وہ چاہے گا ان سب کو اپنے حضور حاضر کر لے گا۔

آیت ۳۰ ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۰﴾ ''اور تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ درحقیقت تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) کے سبب آتی ہے اور (تمہاری خطاؤں میں سے) اکثر کو تو وہ معاف بھی کرتا رہتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ عمومی طور پر عفو و درگزر کا معاملہ فرماتا ہے اور ہر کسی کو ہر غلطی پر نہیں پکڑتا۔ البتہ بعض اوقات بعض نافرمانیوں کی سزا وہ متعلقہ افراد کو دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔

آیت ۳۱ ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ﴾ ''اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔''

یہاں اس فقرے کے بعد ''وَلَا فِي السَّمَاءِ'' کے الفاظ گویا محذوف ہیں۔ جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۡ﴾ (آیت ۲۲) ''اور تم اسے عاجز کرنے والے نہیں ہو زمین میں اور نہ آسمان میں''۔ بہرحال اللہ کی مشیت کو کوئی نہیں روک سکتا' وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔ وہ جو ارادہ کر لیتا ہے کر گزرتا ہے' اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۳۱﴾ ''اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔''

آیت ۳۲ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۳۲﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے سمندروں میں (چلنے والے) پہاڑوں کے مانند جہاز بھی ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ﴾ ''اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے سو وہ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں سمندر کی سطح پر۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۳۳﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے۔''

آیت ۳۴ ﴿اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۳۴﴾ ''یا وہ (چاہے تو) تباہ کر دے ان (جہازوں) کو لوگوں کے گناہوں کی پاداش میں' لیکن وہ بہت سی خطاؤں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۳۵﴾ ''اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو ہماری آیات میں کٹ حجتی کر رہے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔''

آیات ۳۶ تا ۴۳

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۳۶ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۳۷ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۳۸ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۳۹ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۴۰ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۴۱ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۴۲ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۴۳

گزشتہ آیات میں مکی سورتوں کے عمومی مضامین مثلاً مشرکین کے ساتھ ردوکدح' آخرت کی جزا و سزا اور اللہ کی نشانیوں اور نعمتوں کا تذکرہ تھا' لیکن اس کے بعد موضوع پھر سے سورت کے عمود یا مرکزی مضمون کی طرف لوٹ رہا ہے۔ چنانچہ آئندہ آٹھ آیات میں وہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے افراد کی سیرت کے لیے ناگزیر ہیں۔ انہی اوصاف کو اپنانے سے دراصل ایک ایسے مردِ مؤمن کے کردار کا نقشہ تیار ہوتا ہے جو اس میدانِ کارزار میں قدم رکھتے ہوئے طے کر لیتا ہے کہ: ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۶۲﴾ (الانعام) ''میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کے علمبردار افراد کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان اوصاف کو اپنائے بغیر ان کے کردار و عمل میں وہ مضبوط ''جان'' پیدا نہیں ہو گی جو اس ''معرکۂ روح و بدن'' میں پیش کرنے کے لیے درکار ہے۔ اسی ضرورت اور شرط کو اقبالؔ نے یوں بیان کیا ہے: ؎

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے!

آیئے اب ہم ایک ایک کر کے ان اوصاف کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی ہدایت

ملاحظہ ہو:

آیت ۳۶ ﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''پس جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا ہی کی زندگی کا ساز و سامان ہے۔''

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۳۶﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

گویا اس منزل کے مسافروں کو سب سے پہلے اپنی ترجیحات بدلنا ہوں گی اور ایسی سوچ اپنانا ہو گی جس کے مطابق دنیا و مافیہا انہیں ہیچ نظر آئے اور اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ان کا اصل مقصود و مطلوب بن جائے۔ اگر دنیا کی محبت دل کے کسی گوشے میں چھپی رہ گئی تو وہ اس میدان کے بڑے سے بڑے شہسوار کو بھی کبھی نہ کبھی ضرور اڑنگا لگا کر منہ کے بل گرائے گی۔ چنانچہ آدمی سب سے پہلے یہ طے کرے کہ وہ طالبِ آخرت ہے یا طالب دنیا؟ اقامتِ دین کی جدوجہد کے علمبرداروں کا پہلا وصف یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کر کے آخرت کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیتے ہیں' جبکہ آیت کے اختتامی الفاظ کے مطابق ان کا دوسرا وصف یہ ہے: ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

آیت ۳۷ ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو اجتناب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے''

ظاہر ہے اس مقدس فریضہ کو نبھانے کا حلف اٹھانے والے رضا کار اگر اپنے دامن کردار کو ایسی نجاستوں سے بچا کر نہیں رکھیں گے تو وہ اس میدان میں آگے کیسے بڑھ سکیں گے۔ یہی مضمون سورۃ النساء کے اندر ہم ان الفاظ میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱﴾ ''اگر تم اجتناب کرتے رہو گے ان بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں داخل کریں گے بہت باعزت جگہ پر''۔ صغائر اور کبائر کے حوالے سے یہ نکتہ اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک بندۂ مؤمن کو کبائر کے معاملے میں غیر معمولی طور پر حساس ہونا چاہیے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں عمومی روش یہ ہے کہ ہم

صغائر کے بارے میں تو بہت زیادہ باریک بین بننے کی کوشش کرتے ہیں' چھوٹے چھوٹے مسائل کے بارے میں وضاحتیں اور فتوے بھی طلب کرتے رہتے ہیں' مگر کبائر سے متعلق لاپرواہی برتتے ہیں۔ حالانکہ صغائر تو ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ﴾ (ھود: ۱۱۴) کے اصول کے تحت ساتھ ہی ساتھ معاف ہوتے رہتے ہیں اور سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت میں بھی یہی بشارت دی جا رہی ہے کہ اگر تم لوگ کبائر سے بچتے رہو گے تو تمہارے صغائر ہم خود معاف کر دیں گے۔ لیکن اس کے باوجود کبائر سے متعلق لاپرواہی اور صغائر کے بارے میں ''حساسیت'' کا عمومی رویہ ہمارے معاشرے میں ایک متعدی بیماری کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس حوالے سے ہماری مشابہت بنی اسرائیل کی اس کیفیت کے ساتھ ہو چکی ہے جس کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا کہ ''تم لوگ مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو''۔ بہرحال اللہ کے راستے میں نکلنے والے مجاہدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ کی روش پر کاربند رہیں اور کبائر و فواحش سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔

﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝۳۷﴾ ''اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

غَفَرَ کے معنی ڈھانپ دینے کے ہیں۔ اس معنی میں اس آہنی خود کو مِغْفَر کہا جاتا ہے جس سے دورانِ جنگ تلوار وغیرہ کے وار سے بچنے کے لیے سر کو ڈھانپا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مغفرت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے جو بندے کے گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ لہٰذا مؤمنینِ صادقین کا یہاں جو وصف بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ غصے کا اظہار کرنے کے بجائے اسے پی جاتے ہیں۔ اشتعال کی حالت میں وہ کوئی اقدام نہیں کرتے بلکہ اپنے فیصلے ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کی حکمت عملی کو ترجیح دیتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۴ میں بھی متقین کی تعریف میں یہی صفت بیان کی گئی ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ﴾ کہ وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے والے لوگ ہیں۔ چونکہ غصہ اور غصے کی کیفیت میں انسان کا اشتعال شیطانی اثرات کی بنا پر ہوتا ہے اس لیے سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۳۶ میں دی گئی یہ ہدایت غصے اور اس کے منفی اثرات سے بچنے کا بہترین نسخہ ہے: ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۳۶) ''اور اگر کبھی تمہیں شیطان سے کوئی چوک لگنے لگے تو اللہ کی پناہ طلب

کرلیا کرو‘‘ ـــــ اب آگے چلیے اگلے وصف کی طرف:

آیت ۳۸ ﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪﴾ ’’اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا اور نماز قائم کی۔‘‘

یہ کون سی پکار ہے؟ اس حوالے سے یہ اہم نکتہ ذہن میں رکھئے کہ اس سورت میں اب تک جمع کے صیغے میں فعل امر ایک ہی مرتبہ آیا ہے‘ یعنی ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ اور جمع کے صیغے میں اب تک ایک ہی مرتبہ فعل نہی آیا ہے‘ یعنی ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾۔ چنانچہ یہی وہ پکار یا حکم ہے جس کی استجابت کا ذکر یہاں ہوا ہے‘ یعنی: ﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (آیت ۱۳) ’’دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو‘‘۔ اور اسی کے بارے میں حضور ﷺ کو آیت ۱۵ میں مخاطب کر کے فرمایا گیا تھا: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ کہ آپؐ کی دعوت کا عمود اور مرکزی پیغام اقامت دین ہے‘ اسی کی طرف آپؐ نے لوگوں کو بلانا ہے‘ اسی کی ضرورت اور اہمیت کو ان کے اذہان میں نقش (hammer) کرنا ہے۔ یہی آپؐ کا مشن ہے اور یہی آپؐ کی دعوت کا اصل ہدف۔ آپؐ اپنے اسی مشن اور اسی موقف پر ڈٹے رہیے اور مخالفین کی مخالفت کی بالکل پروا نہ کیجیے۔

بلاشبہ یہ مشن بہت عظیم ہے اور اسی نسبت سے اس کی جدوجہد کے لیے خصوصی سیرت و کردار کے حامل مردانِ کار درکار ہیں۔ چنانچہ آیاتِ زیر مطالعہ میں ان اوصاف کا تذکرہ ہے جو اس مشن کے علمبرداروں کی شخصیات کے لیے ناگزیر ہیں۔ نماز کی پابندی کے بعد اگلا وصف بیان ہوا:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪﴾ ’’اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔‘‘

ظاہر ہے اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اجتماعیت درکار ہے اور اجتماعی زندگی میں فیصلے کرنے اور مختلف امور نپٹانے کے لیے باہمی مشاورت بہت ضروری ہے۔ لیکن کسی اجتماعیت کے اندر اگر مؤثر مشاورتی نظام موجود نہیں ہوگا اور کوئی ایک فرد دوسروں پر اپنی مرضی ٹھونسنے کا طرزِ عمل اپنانے کی کوشش کرے گا تو اس سے نہ صرف اجتماعی جدوجہد کو نقصان پہنچے گا بلکہ خود اس اجتماعیت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

جماعتی زندگی میں مشاورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جن صحابہؓ سے درّہ چھوڑنے کی غلطی سرزد ہوئی ان کے بارے میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ (آل عمران:۱۵۹) کہ نہ صرف آپؐ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں بلکہ انہیں مشورے میں بھی شامل رکھیں۔ مشاورت کے عمل سے اجتماعیت کو تقویت ملتی ہے۔ اس سے ساتھیوں کے مابین مشترکہ سوچ اور باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو جماعت کے اندر اپنی موجودگی کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے کہ اس کی بات سنی جاتی ہے۔

حضور ﷺ خود بھی صحابہؓ سے مشورے کو بہت اہمیت دیتے تھے‘ بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ حضورؐ نے اپنی رائے پر صحابہؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے فیصلہ صادر فرمایا۔ مثلاً غزوۂ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے لشکر کے کیمپ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ مگر جب کیمپ لگ چکا تو کچھ صحابہؓ نے آپؐ سے اجازت لے کر رائے دی کہ بعض وجوہات کی بنا پر دوسری جگہ کیمپ کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کیمپ اکھاڑ کر صحابہؓ کی مجوزہ جگہ پر لگانے کا حکم دے دیا۔ بہرحال اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف جماعت کے نظم و نسق کا تقاضا ہے کہ اس جماعت میں مشاورت کا خصوصی اہتمام رکھا جائے۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳۸﴾ ’’اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔‘‘

دعوت و اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف لوگوں کو جہاں اپنے وقت اور اپنی جانوں کی قربانی دینا پڑے گی‘ وہاں اس راستے میں انہیں اپنا مال بھی خرچ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ متعلقہ لوگوں کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی گنوا دیا گیا کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ’’انفاق‘‘ بھی کرتے ہیں۔

قرآن کو غور سے پڑھنے والا شخص جانتا ہے کہ اس کے بہت سے مضامین ایک جیسے الفاظ کے ساتھ دہرا دہرا کر بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر مکی سورتوں میں ملتی جلتی آیات مختلف اسالیب کے ساتھ بار بار آئی ہیں۔ اسی لیے قرآن کو کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (الزمر:۲۳) کا نام بھی دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر سورت کا ایک خاص مرکزی مضمون یا عمود بھی ہے جسے مضامین کے تنوع اور تکرار میں سے تلاش کرنے کے لیے غور و فکر اور تدبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ پر اگر اس پہلو سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سورت میں اگرچہ دوسری مکی سورتوں کے تمام مضامین بھی وارد ہوئے ہیں‘ لیکن اس کا مرکزی مضمون یا عمود

''اقامت دین'' ہے۔ اور اس مضمون کے اعتبار سے اس سورت کی زیر مطالعہ آیات پورے قرآن میں منفرد اور ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔ ان آیات کی اس اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون سے متعلق جن نکات کا ہم اب تک مطالعہ کر چکے ہیں انہیں ایک مرتبہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔

چنانچہ اعادہ کے لیے ایک دفعہ پھر آیت ۱۰ کی طرف رجوع کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ یعنی تمہارے باہمی اختلافات میں حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے ہم سورۂ یوسف میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ (آیت ۴۰) یعنی حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے' اُس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' یہی دین قیم ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۳ سے لے کر آیت ۲۱ تک ۹ آیات میں اقامت دین کا مضمون بہت جامع انداز میں بیان ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے بھی پہلی تین آیات اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ آیت ۱۳ میں فرمایا گیا: ﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ کہ دین کو قائم کرو اور اس معاملے میں اختلاف میں نہ پڑو۔ یعنی جزئیات اور فروعات میں اختلاف کا ہونا اور بات ہے' لیکن دین کی اصل وحدت اور دین کے غلبہ کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں تفرقہ بازی نہیں ہونی چاہیے۔ پھر اس کے بعد آیت ۱۵ میں حضور ﷺ کے لیے یہ حکم اس حوالے سے بہت اہم ہے: ﴿وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ کہ آپؐ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے موقف پر ڈٹے رہیے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ پھر اسی آیت کے یہ الفاظ تو گویا اس مضمون کی شہ سرخی کا درجہ رکھتے ہیں: ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ کہ آپؐ اعلان کر دیجیے کہ میں تم لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ میں تم لوگوں کو صرف نصیحتیں کرنے اور وعظ سنانے کے لیے نہیں آیا بلکہ معاشرے میں اجتماعی طور پر عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا میرا فرضِ منصبی ہے۔ پھر اس سلسلے کی آخری بات آیت ۲۱ میں یوں فرمائی گئی: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ﴾ کہ کیا ان کے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جس نے ان کو دین عطا کیا ہے اور ان کے لیے کوئی جامع نظام اور کوئی ضابطہ حیات وضع کیا ہے؟ یعنی وہ ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے جس نے اپنے بندوں کو دین حق عطا کیا ہے جو ان کے لیے

مکمل اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ [سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی کاملیت کی سند ان الفاظ میں عطا فرمائی ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾]

پھر آیت ۳۶ سے آیت ۴۳ تک آٹھ آیات میں وہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو اقامت دین کی جدوجہد کے علمبرداروں کو اپنی شخصیات میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں بھی پہلی تین آیات بہت جامع اور اہم ہیں۔ ان تین آیت میں جن اہم نکات کا ابھی ہم نے مطالعہ کیا ہے ان میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور اس کے مقابلے میں دنیا و مافیہا کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہے۔ چنانچہ غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے نکلنے والے ہر شخص کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ دنیا کے لیے اس کی محنت صرف بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کی حد تک محدود رہے گی' جبکہ اس کا اصل مقصود و مطلوب آخرت کی زندگی اور اس زندگی کی کامیابی ہے۔ ثانیاً اس جدوجہد میں توکل صرف اور صرف اللہ کی ذات پر ہوگا۔ مادی وسائل' اپنی ذہانت' طاقت اور صلاحیت پر تکیہ نہیں کیا جائے گا۔ ثالثاً تقویٰ' تزکیۂ نفس اور اصلاحِ کردار کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اس کے لیے کبائر اور فواحش سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی اور غصہ سمیت تمام باطنی خبائث سے بھی اپنے سینوں کو پاک کرنا ہوگا۔

پھر جو لوگ اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد پر کمربستہ ہو جائیں' انہیں اللہ تعالیٰ سے قلبی رشتہ جوڑنے اور یہ رشتہ قائم رکھنے کے لیے نماز کا التزام کرنا ہوگا۔ ان کے تمام فیصلے باہمی مشاورت سے طے ہوں گے اور اس جدوجہد میں ان کو اپنا وقت' اپنا مال' اپنی صلاحیتیں غرض اپنا وہ سب کچھ کھپا دینے کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔

زیر مطالعہ سورتوں میں انسانی سیرت و کردار سے متعلق جو ہدایات آئی ہیں ان کے بارے میں یہ نکتہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ صحابہؓ کے کردار کے وہ تمام پہلو جو مدنی دور میں نمایاں ہوئے ان کی تمہید مکی دور میں ہی اٹھائی گئی تھی اور مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ان ہدایات و احکام کے ذریعے ان لوگوں کو عملی میدان کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا گیا تھا۔

اب اگلی پانچ آیات میں مردانِ حق کے جس وصف کا ذکر خصوصی اہتمام سے کیا جا رہا ہے وہ ''بدلہ'' لینے کی حکمت عملی ہے۔ یہ حکمت عملی بظاہر سورۂ حٰمٓ السجدۃ کے اس حکم سے متضاد نظر آتی ہے جس میں لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرنے اور عفو و درگزر سے کام لینے کی

ترغیب دی گئی ہے۔اس ظاہری تضاد یا حکمت عملی کی تبدیلی کے فلسفے کو یوں سمجھیں کہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا مرکزی مضمون ''دعوت'' ہے جبکہ سورۃ الشوریٰ کا مرکزی مضمون ''اقامت دین'' ہے۔دعوت کے لیے تو ظاہر ہے خوشامد بھی کرنا پڑتی ہے' لوگوں کے دروازوں پر بھی جانا پڑتا ہے اور ان کی جلی کٹی باتیں بھی سننا پڑتی ہیں۔اس لیے سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرنے اور گالیاں سن کر دعائیں دینے کا سبق دیا گیا ہے۔لیکن زیر مطالعہ سورت میں اقامت دین اور عملی جدوجہد (active resistance) کے تناظر میں سختی کا جواب سختی سے دینے کی ترغیب دی جارہی ہے۔اس کا مطلب تو یہ ہے کہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں دی گئی ہدایات کی روشنی میں دعوت کا مرحلہ کامیابی سے طے کرنے کے بعد غلبۂ دین کی تحریک مسلح تصادم (armed conflict) کے مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔یہ مرحلہ تیغ بکف' سر پر کفن باندھ کر میدان میں اترنے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر باطل کو للکارنے کا مرحلہ ہے۔چنانچہ اب صورتِ حال کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حکمت عملی بھی بدل رہی ہے اور شمع توحید کے پروانوں کو ممکنہ حالات کے پیش نظر نئی ہدایات دی جارہی ہیں۔

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝۳۹﴾ ''اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔''

یعنی اقامت دین کی جدوجہد جب ''قتال'' کے مرحلے میں داخل ہوجائے تو پھر اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا حکم ہے۔سورۃ البقرۃ میں اس حکمت عملی کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اور قتل کر دو انہیں جہاں کہیں بھی تم انہیں پاؤ اور نکال باہر کرو انہیں وہاں سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا''۔گویا جب ایک دفعہ آگے بڑھ کر باطل کو چیلنج کر دیا گیا تو پھر فیصلہ کن فتح تک اس جنگ کو سختی سے جاری رکھنے کا حکم ہے۔یہی وجہ تھی کہ جنگ بدر میں پکڑے گئے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیے جانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (سورۃ الانفال کی آیات ۶۷' ۶۸ میں) ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ان قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے' بلکہ آپؓ کو تو اصرار تھا کہ ہر مسلمان اپنے رشتے دار اور عزیز قیدی کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔اس حوالے سے آپؓ کی دلیل یہی تھی کہ اگر آج ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا تو کل وہ پھر ہمارے مقابلے میں آجائیں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خدشے کی

اس وقت تصدیق بھی ہوگئی جب فدیہ پر رہائی پانے والے قیدیوں میں سے اکثر و بیشتر اگلے سال غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے خلاف پھر سے آ کھڑے ہوئے تھے۔عام مفسرین کے نزدیک سورۃ الانفال کی مذکورہ آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں نازل ہوئیں۔

آیت ۴۰ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ﴾ ''اور کسی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''

یہاں تقابل کے لیے سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا یہ حکم ایک مرتبہ پھر ملاحظہ ہو: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (آیت ۳۴) ''اور دیکھو! اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتے' لہٰذا تم مدافعت کرو اُس طریقے سے جو بہترین ہو''۔اب بظاہر تو ان دونوں احکام میں تضاد (contrast) نظر آتا ہے' لیکن قرآن کے ایسے مقامات کا مطالعہ اگر حضور ﷺ کی تحریک کے مختلف اَدوار کے زمینی حقائق کی روشنی میں کیا جائے اور اس حوالے سے مکی اور مدنی اَدوار کے حالات کے فرق کو مدنظر رکھا جائے تو تمام اشکالات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔مکہ میں رہتے ہوئے اگر ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ (النساء:۷۷) کی حکمت عملی اپنانے کی ہدایت تھی تو یہ اس وقت کا تقاضا تھا۔اور اگر مدینہ میں آ کر ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ کا حکم جاری ہوا ہے تو یہ اس مرحلے کی ضرورت ہے۔چنانچہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب دشمن کے ساتھ تمہارا دوبدو مقابلہ شروع ہو جائے تو جس قدر زیادتی تم پر مخالف فریق کرے اس قدر زیادتی ان پر تم بھی کر سکتے ہو۔اگر وہ اشہرِ حُرم کی حرمت کو بٹّہ لگاتے ہیں تو تم بھی اس ماہ کے تقدس کے احترام میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حرمت بیٹھے رہو۔

﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ''پس جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔''

یہ معاف کرنا اگر اس اعتبار سے ہو کہ اس میں متعلقہ شخص کی اصلاح کا امکان ہو تو اسی میں بہتری ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰﴾ ''یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

ظالموں کے لیے البتہ کوئی معافی نہیں' ان سے تو بہرحال بدلہ ہی لیا جائے گا۔اس حکمت عملی کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (آیت ۱۷۹) ''اور اے ہوشمندو! قصاص میں ہی تمہارے لیے زندگی ہے۔''

آیت ۴۱ ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۱﴾ ''اور جو کوئی بدلہ لے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔''

سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ میں یہی اصول ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں کہ کوئی شخص کوئی بری بات بلند آواز سے کہے مگر مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے' بدلہ لینا بہر حال مظلوم کا حق ہے۔ اگر وہ اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کا بدلہ ہی لینا چاہتا ہے تو اسے معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے ان آیات کا اسلوب اور انداز سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی مذکورہ آیات کے اسلوب سے کس قدر مختلف ہے۔ اسی ''تضاد'' کی بنیاد پر پروفیسر منٹگمری واٹ (۱۹۰۹ء۔۲۰۰۶ء) نے Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina دو کتابیں لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکہ کے اندر جب محمد عربی (ﷺ) کی ایک حکمت عملی ناکام ہو گئی تو انہوں نے مدینہ جا کر اپنا لائحہ عمل بالکل ہی تبدیل کر لیا۔ اس بے چارے ''دانشور'' کی نظریں تعصب کی عینک کے باعث حضور ﷺ کی تحریک کے دو مراحل کے فرق کو نہیں دیکھ سکیں۔ وہ اس سادہ سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکا کہ پہلا مرحلہ تیاری کا مرحلہ تھا جبکہ دوسرا عملی جدوجہد کا۔

مکی دور میں ''ہاتھ بندھے رکھنے'' کا حکم دراصل ایک سوچی سمجھی حکمت عملی (strategy) کا حصہ تھا' جس کے تحت جاں نثارانِ توحید کو صبر و مصابرت کی بھٹی میں سے گزارنا مقصود تھا تا کہ میدانِ کارزار میں اترنے سے پہلے ان کے جذبے ضبط و برداشت کی آنچ سہہ سہہ کر پختہ اور ان کے دست و بازو آزمائش و ابتلا کی سختیاں جھیلنے کے عادی ہو جائیں۔ اقبالؔ نے اس حکمت عملی کو اس طرح بیان کیا ہے:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

مدنی دور میں جب ''بندھے ہوئے ہاتھ'' کھول دیے گئے تو حالات یکسر بدل گئے۔ چنانچہ میدانِ بدر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سامنا اپنے سابق آقا اُمیہ بن خلف سے ہوا تو چشمِ فلک کوئی اور ہی منظر دیکھ رہی تھی۔ اب اُمیہ کی گردن کا مقدر نشانہ بننا تھا جبکہ ''اقدام'' کا اختیار تیغ بلالیؓ کے پاس تھا۔

آیت ۴۲ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ ''اصل میں الزام تو ان پر

ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں''

﴿وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۲﴾ ''اور زمین کے اندر سرکشی کرتے ہیں بغیر کسی حق کے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

عدل و انصاف کی راہ میں اصل رکاوٹ تو وہ لوگ ہیں جو زمین میں سرکشی دکھاتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے بجائے خود حاکم بن بیٹھتے ہیں اور عوام الناس کے حقوق پر شب خون مارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانی معاشرے میں عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ اُن تاکیدی احکام سے لگایا جا سکتا ہے جو پورے قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸ میں اللہ تعالیٰ کی شان ﴿قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ﴾ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وہ عدل و انصاف قائم کرنے والا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ﴾ ''اے اہلِ ایمان کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر''۔ اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں یہی الفاظ اس ترتیب میں دہرائے گئے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ''۔ پھر زیر مطالعہ سورت کی آیت ۱۵ میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپؐ انہیں بتا دیجیے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾ کہ مجھے تمہارے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

آیت ۴۳ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۴۳﴾ ''اور ہاں جو کوئی صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ واقعتاً بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

بدلہ لینا اگرچہ مظلوم کا حق ہے' لیکن کسی خاص صورت حال میں اگر وہ صبر سے کام لیتے ہوئے اپنا یہ حق معاف کرنا چاہے تو بے شک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔

یہاں پر سیرت و کردار سے متعلق خصوصی اوصاف کا ذکر ختم ہوا۔ اس کے بعد کی آیات میں مکی سورتوں کے عمومی مضامین آ رہے ہیں۔

آیات ۴۴ تا ۵۰

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

آیت ۴۴ ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ ’’اور جس کو اللہ نے ہی گمراہ کر دیا ہو تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی مددگار نہیں۔‘‘

جس کی گمراہی پر اللہ تعالیٰ نے ہی مہر ثبت کر دی ہو تو ایسے شخص کا ایسا کوئی حمایتی اور دوست ممکن نہیں جو اسے راہِ راست پر لے آئے۔

﴿وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۴﴾ ’’اور تم دیکھو گے ظالموں کو کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا واپس لوٹ جانے کا بھی کوئی راستہ ہے؟‘‘

آیت ۴۵ ﴿وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ﴾ ’’اور تم دیکھو گے انہیں کہ وہ پیش کیے جائیں گے اس (جہنم) پر‘ نگاہیں زمین میں گاڑے ہوں گے ذلت کی وجہ سے‘ دیکھ رہے ہوں گے کن انکھیوں سے۔‘‘

اسی کیفیت میں وہ لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہوں گے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ’’اور (اُس وقت) اہل ایمان کہیں گے کہ واقعتاً تباہ و برباد ہونے والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن خسارے میں مبتلا کیا۔‘‘

﴿اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝۴۵﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ! یہ ظالم تو ہمیشہ قائم رہنے والے عذاب میں رہیں گے۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو ان کی مدد کر سکیں اللہ کے مقابلے میں۔‘‘

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝۴۶﴾ ’’اور جسے اللہ نے ہی گمراہ کر دیا ہو‘ پھر اس کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔‘‘

اب اس کے بعد پھر اقامت دین سے متعلق دو عظیم آیات آ رہی ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’(اے اہلِ ایمان!) اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو‘ اس سے پہلے کہ اللہ کے حکم سے وہ دن آ جائے جسے لوٹایا نہ جا سکے گا۔‘‘

یہ اسی ’’استجابت‘‘ کا ذکر ہے جس کے بارے میں قبل ازیں ہم آیت ۳۸ میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں یہ ذکر اصحابِ عزیمت کی مدح کے طور پر آیا تھا‘ لیکن یہاں اب اس کے لیے ترغیب و تشویق کا انداز ہے کہ اے لوگو! اب جبکہ تم نے یہ تمام احکام پڑھ لیے ہیں‘ غلبۂ دین کے حوالے سے تم نے اپنے فرائض کو سمجھ لیا ہے‘ اس ضمن میں اپنے رب کی مرضی و منشا بھی تمہیں معلوم ہو چکی ہے‘ تو اب آؤ! آگے بڑھو! اور اپنے رب کی پکار پر فوراً لبیک کہو!

دراصل تم میں سے ہر کسی نے اپنی اپنی زندگی کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی کو اپنے اس ’’فرض‘‘ کی ادائیگی کا احساس ہو بھی جاتا ہے تو بھی اس کا دل انہی منصوبوں میں اٹکا رہتا ہے کہ بس میں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا لوں‘ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو لوں وہ فرض نبھا لوں‘ تو خود کو دین کے لیے وقف کر دوں گا۔ مگر تم خوب جانتے ہو

کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں‘ یہ کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ موت تمہارے سامنے آن کھڑی ہو‘ تم ﴿اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ ؕ﴾ کے حکم پر کان دھرو! اور اپنے رب کی اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوسروں کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھو! اور اپنی مدتِ مہلت ختم ہونے سے پہلے پہلے کرنے کا یہ اصل کام کر لو!

﴿مَالَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾﴾ ’’نہیں ہوگی تمہارے لیے اُس دن کوئی جائے پناہ اور نہیں ہوگا تمہارے لیے کوئی موقع انکار۔‘‘

یعنی تم اپنے کرتوتوں میں سے کسی کا انکار نہیں کر سکو گے۔ ان الفاظ کا یہ مفہوم بھی ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کیا جائے گا تم اس پر نہ تو کوئی احتجاج کر سکو گے اور نہ ہی اپنی حالت کو تبدیل کرنا تمہارے بس میں ہوگا۔

آیت ۴۸ ﴿فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ؕ﴾ ’’پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو ان پر کوئی داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔‘‘

یعنی اگر یہ لوگ اب بھی اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد کے لیے کمر بستہ نہ ہوں تو ان کی اس کوتاہی کی ذمہ داری آپؐ پر نہیں ہوگی۔

﴿اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ﴾ ’’نہیں ہے آپ پر کوئی ذمہ داری مگر صاف صاف پہنچا دینے کی۔‘‘

﴿وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَۃً فَرِحَ بِہَا ۚ﴾ ’’اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا کوئی مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اتراتا ہے۔‘‘

﴿وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾﴾ ’’اور اگر ان پر آ پڑے کوئی برائی ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی بدولت تو انسان بالکل ناشکرا بن جاتا ہے۔‘‘

آیت ۴۹ ﴿لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔‘‘

یہ مضمون قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے‘ لیکن اس کے لیے عام طور پر یہ جملہ آتا ہے: ﴿لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ لیکن اس سورت کے مرکزی مضمون

(اقامتِ دین) کے حوالے سے یہاں خاص طور پر ملک (حکومت واقتدار) کا لفظ آیا ہے۔

﴿یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿۴۹﴾﴾ ’’وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿اَوۡ یُزَوِّجُہُمۡ ذُکۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ﴾ ’’یا وہ انہیں ملا کر دیتا ہے بیٹے اور بیٹیاں۔‘‘

﴿وَیَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾﴾ ’’اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا‘ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘

وہ اپنی مرضی ومنشا میں قادرِ مطلق ہے‘ جس کو جو چاہے عطا کر دے‘ لیکن وہ جس کو جو عطا کرتا ہے اپنے علم وحکمت کی بنیاد پر عطا کرتا ہے۔

اگلی آیات میں وحی کی حقیقت اور اس کی اقسام بیان ہوئی ہیں۔ اس موضوع پر یہ قرآن کا اہم ترین مقام ہے۔

آیات ۵۱ تا ۵۳

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۵۱﴾ وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۲﴾ۙ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰہِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾ۧ

آیت ۵۱ ﴿وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ﴾ ’’اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے‘‘

اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے‘ وہ جو چاہے کرے‘ مگر کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو۔

﴿اِلَّا وَحۡیًا﴾ ’’سوائے وحی کے‘‘

یہ وحی کی پہلی قسم ہے جسے ’’القاء‘‘ یا ’’الہام‘‘ کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے

براہِ راست بندے تک اپنا پیغام پہنچا دیتا ہے اور متعلقہ بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی کرنا (النحل:۶۹)‘ ہر آسمان میں اس سے متعلقہ پیغام پہنچانا (حٰمٓ السجدۃ:۱۲) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں القاء کرنا (القصص:۷) اس وحی کی مثالیں ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

﴿اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ ’’یا (پھر وہ بات کرتا ہے) پردے کی اوٹ سے‘‘

یہ وحی کی دوسری قسم ہے‘ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء)۔

﴿اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ ’’یا وہ بھیجتا ہے کسی پیغام بر (فرشتے) کو‘ پھر وہ وحی کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو وہ چاہتا ہے۔‘‘

یہ وحی کی تیسری قسم ہے‘ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے پورا قرآن حضور ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔

﴿اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ ’’وہ بہت بلند و بالا ہے‘ کمال حکمت والا ہے۔‘‘

اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی انسان سے براہِ راست بغیر حجاب کے کلام کرے‘ اور وہ کمال حکمت والا ہے‘ اس نے اپنی حکمت کے مطابق انسانوں تک پیغام رسانی (communication) کا جو طریقہ چاہا اختیار فرمایا۔

آیت ۵۲ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔‘‘

یہاں پر قرآن کو رُوحًا مِّن اَمْرِنَا کہا گیا ہے۔

اگلی آیت میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ایمان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ کو ایمان کہاں سے ملا؟ اس مضمون کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کا اہم ترین مقام ہے۔ حضور ﷺ کی ذات کی مثال ایمان کی دہکتی ہوئی بھٹی کی سی ہے کہ جو بھی آپ کے قریب آ گیا ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ البتہ جس طرح ایک خراب موصل (bad conductor) بھٹی کے سامنے ہونے کے باوجود بھی ’’اتصالِ حرارت‘‘ کے عمل سے محروم رہتا ہے اسی طرح بعض بدنصیب انسان (منافقین) آپ کی قربت میں رہنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم رہے۔

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ نہیں

جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے‘‘

آپ ﷺ نے دنیا کے معروف اور روایتی طریقے سے نہ تو تعلیم حاصل کی تھی اور نہ ہی آپ نے تورات یا کوئی اور کتاب پڑھی تھی۔ اس لحاظ سے آپ ’’اُمّیّن‘‘ میں سے تھے۔

﴿وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ ’’لیکن اس (قرآن) کو ہم نے ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعے سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔‘‘

یعنی قرآن کے ذریعے سے حضور ﷺ کے ایمان نے ایک حقیقی اور واقعی شکل اختیار کر لی۔ فطرتِ انسانی کے اندر موجود ایمان کی خفتہ (dormant) کیفیت کے بارے میں اس مطالعہ قرآن کے دوران قبل ازیں متعدد بار گفتگو ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے روحِ محمدی ﷺ میں تمام انسانی ارواح سے زیادہ قوی ایمان موجود تھا۔ آپ کی روح کے ایمان کی کیفیت سورۃ النور کے پانچویں رکوع میں بیان کی گئی مثال کے مطابق ’’نورٌ عَلٰی نُوْرٍ‘‘ کی سی تھی۔ ہمارے علماء نے اس کی تعبیریوں کی ہے کہ آپ کی روح کے اندر اجمالی ایمان پہلے سے موجود تھا‘ جبکہ آپ کو تفصیلی ایمان قرآن سے ملا۔ میں اس کی تعبیر یوں کرتا ہوں کہ آپ کی روح مبارک کے اندر بالقوۃ (potentioal) ایمان پہلے سے موجود تھا جو خفتہ (dormant) حالت میں تھا۔ قرآن نے اس ایمان کو فعال (active) کر دیا۔ یعنی قرآن کے نور سے آپ کا ایمان جگمگا اٹھا اور آپ کی ذات کے اندر ’’نورٌ عَلٰی نُوْرٍ‘‘ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد آپ بنی نوعِ انسان کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے مینارۂ نور بن گئے۔

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ’’اور آپ یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔‘‘

جیسے کہ ساحل پر موجود روشنی کا مینار جہازوں کو بندرگاہ تک پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔

آیت ۵۳ ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ’’اُس اللہ کے راستے کی طرف جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔‘‘

﴿اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ! تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔‘‘ ❁❁❁

دینِ اسلام کے تقاضے
اوران کی ادائیگی کا لائحۂ عمل

شجاع الدین شیخ*

خطبہ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد:

سب سے پہلے ہم پر اللہ کا شکر کرنا واجب ہے کہ اس کی توفیق سے یہ بابرکت محفل سجی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا یہاں جمع ہونا قبول فرمائے اور ہم سب کو اخلاصِ نیت عطا فرمائے' دین کا درد اور اس کی محبت جو ہمارے دلوں میں ہے' اللہ تعالیٰ اس میں مزید اضافہ عطا فرمائے' دین کی سمجھ بھی دے اور اس کے تقاضوں کو مزید سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام سہ ماہی "دعوتِ فکرِ اسلامی مہم" جاری ہے اور یہ جلسہ بھی اسی مہم کا ایک حصہ ہے۔

بنیادی بات یہ کہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری عزّت اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "عمر کو عزّت کپڑوں نے نہیں دی بلکہ اسلام نے دی ہے۔ یہ عمر تو وہ تھا جسے اونٹ چرانے نہیں آتے تھے اور گھر والوں سے ڈانٹ پڑتی تھی"۔ مملکتِ خداداد پاکستان جسے ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا' اس کا وقار' عزّت' عروج' استحکام اور بقا اسلام کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ لہٰذا ہمارا انفرادی اور نہ صرف قوم و ملک بلکہ امت کا اجتماعی معاملہ اور کل ہماری نجات اور کامیابی کا معاملہ بھی اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ اسلام ہے کیا؟ اس کا جامع تصوّر کیا ہے؟ اپنے ماننے والوں پر یہ کیا ذمہ داری عائد کرتا ہے اور ان دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی عملی شکل کیا ہوگی؟ خاص طور پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں عہدِ حاضر میں دین کے نظام کو غالب کرنے کی جِدّ و جُہد کا عملی طریقۂ کار

* معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت' تنظیم اسلامی

اور لائحۂ عمل کیا ہوگا؟ یہ وہ چند سوالات ہیں جن کے جوابات اس "دعوتِ فکرِ اسلامی مہم" کے دوران دینے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء گزشتہ تین ماہ سے پاکستان بھر میں محنت اور کوشش کر رہے ہیں۔ گھر گھر دعوت دی جا رہی ہے' دروسِ قرآن کے حلقوں میں یہ محنت جاری ہے۔ علاقوں اور میڈیا کی سطح پر' انفرادی اور اجتماعی سطح پر' ملک گیر سطح پر محنت ہو رہی ہے۔ اسی سلسلے میں آج کراچی میں یہ جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ الحمدللہ' آج کراچی شہر کے کونے کونے سے ہمارے رفقاء کے علاوہ احباب کی ایک بہت بڑی تعداد بھی موجود ہے۔ میں تنظیم اسلامی کی طرف سے تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ ہماری دعوت کو قبول کر کے تشریف لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام حاضرین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

جیسا کہ میں نے ذکر کیا' اس وقت کی گفتگو میں چند سوالات کے جوابات تلاش کرنا مقصود ہے۔ درمیان میں کچھ کتابچوں کے حوالے بھی دیے جائیں گے۔ یہ کتابچے ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر بھی دستیاب ہیں۔

ملک میں شریعت کے نفاذ کے لیے جیّد علماء جس نتیجے پر پہنچے اور اس کے لیے جس طریقۂ کار کو موزوں سمجھا' اسے بھی میں آپ کے سامنے رکھوں گا' جو الحمدللہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ تیس برس پہلے سے بیان کرتے چلے آئے تھے۔ عجیب حسنِ اتفاق کہیے کہ ان کا انتقال ۱۴/اپریل ۲۰۱۰ء کو ہوا اور ۱۵/اپریل ۲۰۱۰ء کو لاہور میں مکتبۂ دیوبند کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا جس میں ان کی علمی اور سیاسی قیادتیں بھی موجود تھیں۔ وہ بھی اس مسئلے کے اسی حل پر پہنچے جو ڈاکٹر اسرار احمدؒ بیان فرماتے چلے آ رہے تھے۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ غلبۂ دین کی جدّ و جُہد کے لیے مسلم معاشروں کے اعتبار سے اور بالخصوص پاکستان کے معروضی حالات کے تناظر میں جو ایک تحریک برپا کرنے کا ذکر کرتے تھے' اب جیّد علماء کی زبانوں پر بھی وہی بات آ رہی ہے۔

دینِ اسلام کا جامع تصوّر

لفظ دین کا مفہوم

سب سے پہلے ہم قرآن کریم کی روشنی میں لفظ دین کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک لفظ "religion" بہت معروف ہے' جسے ''مذہب'' کا مترادف سمجھا جاتا

ہے۔ آگے ہم انگریزی کی اس اصطلاح کا پوسٹ مارٹم بھی کریں گے۔ ''اِزم'' کے طور پر ہم پر ایک اصطلاح ''سیکولرزم'' تھوپنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کے بارے میں بھی کچھ عرض کروں گا۔ البتہ سب سے پہلے ''دین'' جو عربی زبان کا لفظ ہے اور جو قرآن کریم میں کم از کم چار مفاہیم میں استعمال ہوا' آیئے اس کو مختصراً سمجھنے کی کوشش کریں۔ سورۃ الفاتحہ میں ارشاد ہوا: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ یعنی اللہ تعالیٰ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ سورہ یوسف (آیت ۷۶) میں فرمایا گیا: ﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ﴾ یعنی وہ (یوسفؑ) بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں روک سکتے تھے۔ سورۃ الانفال (آیت ۳۹) میں ارشاد ہوا: ﴿وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ یعنی تاکہ نظام کُل کا کُل اللہ ہی کے لیے ہوجائے۔ سورۃ الزمر (آیت ۳) میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ﴾ یعنی آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ ہی کے لیے ہے خالص اطاعت۔

عربی زبان میں لفظ دین ان چار مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے اور قرآن حکیم نے بھی انہی مفاہیم کو بیان کیا ہے۔ دین کا پہلا مطلب بدلہ' دوسرا قانون' تیسرا نظام اور چوتھا اطاعت ہے۔ یہ چار مفاہیم آپس میں بہت مربوط ہیں۔ بدلہ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی' اور یہ جب بھی دیا جائے گا وہ کسی قانون کے مطابق ہوگا۔ سادہ سی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی طالب علم ۴۰ فیصد نمبر حاصل کرلیتا ہے تو وہ پاس ہوجاتا ہے' اس سے کم ہو تو وہ فیل ہوجائے گا۔ تحریری قانون اچھا ہوسکتا ہے' لیکن اگر اس کے پیچھے کوئی نظام نہ ہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ نہیں' کیونکہ وہ چل نہیں سکتا۔ قانون کے نفاذ کے لیے نظام کی ضرورت ہوا کرتی ہے' اور نظام بھی وہی کہلانے کا مستحق ہے جس کی اطاعت کی جارہی ہو۔ لکھے ہوئے نظام تو ارسطو کے اور دیگر لوگوں کے بھی ہوں گے' لیکن نظام وہ تسلیم کیا جائے گا جس پر عمل درآمد ہو رہا ہو۔

ان چاروں معانی میں ''نظام'' بہت جامع لفظ ہے جس کے لیے انگریزی کا لفظ system استعمال کیا جائے تو یہ آج کے تناظر میں ہمیں اپیل بھی کرتا ہے اور بات سمجھ میں بھی آتی ہے' اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا ہے وہ ایک سسٹم یعنی نظامِ زندگی ہے۔ اسی لیے اسلام کو ایک ضابطۂ حیات کہا جاتا ہے جس میں اللہ کو حاکم مان کر زندگی کے تمام گوشوں میں اس کی اطاعت کی جائے۔ فتح مکہ کے ضمن میں ارشادِ ربانی ہوا: ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾ (النصر) ''اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوں گے''۔ پہلے مشرکین کے سرداروں کا اختیار' قوانین اور نظام چلتا تھا۔ اسی سے امام الانبیاء حضور ﷺ نے ایک انقلابی جدّ و جہد کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو ٹکرایا اور ان کے اختیار' قوانین اور نظام کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا اختیار' قوانین اور نظام قائم و نافذ ہوا' جیسا کہ سورۃ الصّف کی آیت ۹' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳ میں رسول اللہ ﷺ کا مشن یہی بیان ہوا کہ وہ نظامِ حق کو کُل نظام ہائے زندگی پر غالب کردیں۔ اللہ کے نزدیک دنیا میں پارٹیاں دو ہی ہیں۔ سورۃ المجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان دو پارٹیوں ''حزبُ اللہ'' اور ''حزبُ الشیطان'' کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح دنیا میں دعوتیں دو ہی ہیں' یا تو رحمٰن کی دعوت ہے یا شیطان کی۔ اسی طرح دنیا میں نظام دو ہی ہیں' یا تو نظام رحمٰن کی تعلیمات پر مبنی ہوگا یا شیطان کی تعلیمات اور وسوسوں کی بنیاد پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو دین قرار دیتا ہے جو نظامِ زندگی ہے۔

دین اور مذہب کا فرق

اب ذرا نظام کے مفہوم کو بھی سمجھ لیا جائے۔ پولیٹیکل سائنس میں مکمل زندگی کو سمجھانے کے لیے زندگی کے دو حصے بیان کیے جاتے ہیں' ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ ان دونوں حصوں میں تین تین گوشے ہیں۔ ان گوشوں کے ذریعے پوری زندگی کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ انفرادی زندگی کے تین گوشے عقائد' عبادات اور رسومات ہیں۔ انگریزی کا لفظ religion انہی گوشوں تک محدود ہے۔ دنیا میں جو religions ہیں' جن کو ہم عام طور پر مذاہب کہہ دیتے ہیں' زندگی کے صرف انفرادی گوشوں پر گفتگو کرتے ہیں۔ Religion کی تعریف انگریزی کی ڈکشنری سے ہی معلوم کی جاسکتی ہے۔ معروف ڈکشنری "Merriam-Webster" میں Religion کا یہ معنی دستیاب ہے:

"A personal set or institutionalized system of religious attitudes, beliefs, and practices."

جب کہ Oxford ڈکشنری میں یوں درج ہے:

"The belief in and worship of a superhuman controlling power especially a personal God or gods."

دیگر ڈکشنریوں میں اور سادہ تعریف ہے:

"A set of beliefs or a set of instructions dealing in personal affairs of life."

یعنی ''کچھ عقائد کا مجموعہ یا کچھ ہدایات کا مجموعہ جو زندگی کے انفرادی معاملات سے گفتگو کرے''۔ گویا religion کا domain صرف انفرادی زندگی کی حد تک ہے۔

ایک اور لفظ ''سیکولرزم'' بھی ہمارے ہاں زبان زدِ عام ہے۔ حتیٰ کہ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ ہونا چاہیے۔ وہ یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ قائداعظم بھی سیکولر تھے اور وہ سیکولر پاکستان بنانا چاہتے تھے۔ آیئے اس کا بھی تھوڑا سا پوسٹ مارٹم کرلیں۔

"Merriam-Webster" کے current on line edition میں لکھا ہے:

"indifference to or rejection or exclusion of religion and religious considerations."

یعنی مذہب اور جو بھی مذہبی نوعیت کی باتیں ہیں ان کو نکال دیا جانا۔ اور Oxford میں لکھا ہے:

"The principle of separation of estate from religious institutions."

یعنی ریاست کو مذہبی اداروں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ایک اور تعریف میں لکھا ہے:

"Rules, laws and regulations should not be based on religion."

یعنی قوانین اور قواعد وضوابط کو مذہب کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے۔

اب ہم زندگی کے اجتماعی گوشوں کو بھی دیکھتے ہیں' جن میں معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام شامل ہیں۔ آج دنیا میں so called liberal democracy یا سیکولر سسٹم قائم ہے' جہاں بنجمن فرینکلن کے الفاظ کے مطابق

"Government of the people, by the people and for the people"

کا نعرہ ہے۔ یعنی عوام کی حکمرانی' عوام ہی عوام کے لیے کریں گے۔ یہ ان کا سیاسی نظام ہے۔ ہمارے ہاں جو معروف سیاسی جماعتیں ہیں ان کی تو میں بات ہی نہیں کرتا' جو معروف مذہبی سیاسی جماعتیں ہیں وہ بھی عوام کی حکمرانی کا نعرہ لگاتی ہیں' جبکہ اللہ کا کلام تین مرتبہ کہتا ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ۴۰' ۶۷ اور الانعام: ۵۷)۔ ''حکم کا اختیار صرف اللہ کے لیے ہے''۔ ان کا معاشی نظام سُود پر مبنی بینکاری اور جوئے اور سٹے پر مبنی اسٹاک ایکسچینج کا

نظام ہے۔ معاشرتی نظام کا حال یہ ہے کہ مذہبی تعلیم خارج کر دی جائے۔ مساواتِ مرد و زن کے نعرے ہوں' عورت کو شمع محفل بنا کر ایک marketing tool کے طور پر استعمال کیا جائے اور عائلی نظام کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا جائے۔ ایک ماں جو اولڈ ہوم میں بیٹھی ہو وہ یہ کہے کہ میں برطانیہ کی وہ خوش نصیب عورت ہوں کہ میرا بیٹا سال میں ایک مرتبہ دو رکی فلائٹ لے کر مجھ سے ملنے کو آتا ہے اور وہ میرا عید کا دن ہوتا ہے۔ یہ اس نظامِ زندگی کے بڑے بڑے ستون ہیں جہاں الہامی تعلیم کو باہر کر دیا گیا ہے۔

یہ وہ سیکولر سسٹم ہے جو دنیا بھر میں رائج ہے' جو الہامی تعلیم کے بغیر معاشرتی' معاشی اور سیاسی سسٹم دے رہا ہے' جس کی تباہ کاریاں ہمارے سامنے ہیں۔ انسانی زندگی کے جو چھ گوشے ہیں' ان کے ضمن میں اگر religion کی بات کریں تو وہ انفرادی زندگی میں تو کچھ دیتا ہے' اجتماعی زندگی میں کچھ بھی نہیں دیتا۔ اور اگر سیکولرزم کی بات کریں تو وہ اجتماعی زندگی میں کچھ تو دے رہا ہے' جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں' لیکن وہ انفرادی زندگی میں کچھ بھی دینے کو تیار نہیں۔ گویا دونوں نامکمل ہیں۔ سیکولرزم کی جو تباہ کاریاں ہیں وہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا موضوع ہے۔ یہ تجزیہ اس لیے سامنے رکھنا مقصود ہے کہ آج ہمیں کہا جاتا ہے کہ مذہب تمہارا انفرادی معاملہ ہے' ہر بات میں مذہب کو کھینچ کر نہ لاؤ۔ اگر یہ بات اسلام کے ماننے والوں کو کہی جا رہی ہے تو گویا اسلام کو زندگی کے چند انفرادی گوشوں تک محدود رکھنا مطلوب ہے۔

علامہ اقبال اور قائداعظم کا تصوّرِ پاکستان

یہ جو کہا جا رہا ہے کہ پاکستان کو ایک سیکولر ریاست ہونا چاہیے اور یہ کہ قائداعظم اور علامہ اقبال سیکولر پاکستان چاہتے تھے' تو آیئے اس بارے میں مصورِ پاکستان علّامہ اقبال ہی سے پوچھتے ہیں۔ آپ کے علم میں ہے کہ قائداعظم مسلم لیگ کے کچھ ذمہ داروں کے رویوں سے مایوس ہو کر برطانیہ چلے گئے تھے۔ وہاں سے انہیں واپس بلانے والے علّامہ اقبال تھے۔ انہوں نے قائداعظم کو خطوط لکھے' جن میں سے ایک ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کا خط ہے۔ انہوں نے تحریر فرمایا:

" Happily there is a solution in the enforcement of law of Islam and its further development in the light of the modern ideas. After a long and careful study

of Islamic laws I have come to the conclusion that if this system of law is properly understood and applied, at least the right of subsistance is secured to everybody. But the enforcement and development of Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim estate or estates."

یعنی خوش قسمتی یہ ہے کہ جو بھی مشکلات اور مسائل ہیں ان کا ایک حل اسلامی شریعت کے نفاذ میں موجود ہے' اور غور و فکر کر کے اسلام کو عہدِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک طویل مدت تک اسلامی قوانین کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظامِ شریعت کو صحیح طرح سے سمجھ کر نافذ کیا جائے تو یقیناً ہر ایک کو جینے کا حق ملے گا۔ لیکن اسلامی شریعت کو عہدِ حاضر کے مطابق ڈھالنا اور اس کا نفاذ کرنا ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

یہ جملے ان لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہیں جو علامہ اقبال پر سیکولر ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

آیئے قائداعظم سے بھی پوچھتے ہیں۔ ان کی یہ تقریر ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کی ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے غالباً ان کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر' جسے ہمارا سیکولر طبقہ ہائی لائٹ کرتا ہے' کے کچھ جملوں کے حوالے سے کچھ کنفیوژن پیدا کرنا چاہا تو ۱۹۴۸ء کی تقریر میں قائداعظم نے کہا:

" I could not understand the section of the people that deliberately wanted to spread mischief and propaganda that the constitution of Pakistan would be made on the basis of Shariah."

یعنی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کچھ لوگ شرارت کرتے ہوئے اس بات کو کیوں پھیلا رہے ہیں کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔

دکن (بھارت) میں اگست ۱۹۴۱ء میں ایک تقریر کے دوران قائداعظم نے کہا:

"In Islam ultimate obedience belongs to God alone. The only way to follow the guidance is through Quran. Islam does not preach obedience to a king, parliament, person or institution. The Islamic government means rule of the Quran. And how can

you establish the rule of the Quran without an independent estate."

یعنی اسلام میں مطلق اطاعت صرف اللہ کا حق ہے۔ ہدایت کی پیروی کا ذریعہ قرآن ہے۔ اسلام کسی بادشاہ' پارلیمنٹ' فرد یا ادارے کی اطاعت نہیں سکھاتا۔ اسلامی حکومت کا مطلب قرآن کا حکم نافذ کرنا ہے۔ اور آپ قرآن کا قانون کیسے نافذ کر سکتے ہیں جب تک ایک آزاد ریاست آپ کے پاس موجود نہ ہو۔

اللہ کا عطا کردہ دین

اب اس موضوع کو مکمل کرتے ہوئے اس حوالے سے تین آیات نوٹ فرمائیں: سورۂ آل عمران (آیت ۱۹) میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ ''دین تو اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے''۔ اسی سورت کی آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ﴾ ''اور جو اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرے' وہ اللہ کے ہاں ہرگز قابل قبول نہیں ہے''۔ سورۃ المائدہ (آیت ۳) میں ارشاد ہوا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر مکمل فرما دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کر لیا''۔ یعنی بطور religion کے نہیں' بلکہ بطور نظامِ حیات کے' اور اللہ فرماتا ہے کہ مکمل کر کے دیا۔ وہ جو ہم نے پوسٹ مارٹم کیا کہ religion فقط انفرادی زندگی میں کچھ دیتا ہے' اجتماعی زندگی میں کچھ نہیں دیتا۔ اور سیکولرزم اجتماعی زندگی میں کچھ دے بھی رہا ہے تو اس میں تباہی ہی تباہی ہے' انفرادی زندگی میں کچھ بھی نہیں دیتا۔ دونوں systems نامکمل ہیں' بلکہ religion کو تو system کہنا بھی system کی توہین ہے۔ اللہ نے اپنے ''دین'' کو ہمارے لیے پسند فرما لیا۔ یہ ہم ہیں کہ نمازِ جمعہ کی دو رکعت پر مطمئن ہیں۔ اللہ اس پر مطمئن نہیں' بلکہ وہ محض پنج وقتہ نماز پر بھی مطمئن نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اسلام کو بطورِ دین اختیار کرو تو تم سے راضی ہوں۔ زندگی کے تمام گوشوں میں اُس کی حاکمیت کو تسلیم کر کے' اُس کو مان کر اُس کی مانو' اور یہ ہے اسلام کا تقاضا۔ اسی لیے سورۃ البقرہ (آیت ۲۰۸) میں فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔ یہ نہیں کہ نماز میں اللہ کو بڑا مانا' مگر کاروبار میں

سود چل رہا ہے۔ یہ نہیں کہ رمضان المبارک میں روزے تو پورے اہتمام سے رکھے‘ لیکن آمدن حرام کی آ رہی ہے۔ یہ نہیں کہ اذانوں میں ’’اللہ اکبر‘‘ کہا جائے اور پارلیمنٹ میں انگریز کا کالا قانون چل رہا ہو۔ اور اگلی آیت تو ہلا دینے والی ہے جس میں ہماری ذلت و رسوائی کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ)

’’کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کو نہیں مانتے؟ پس تم میں سے جو کوئی یہ روش اختیار کرے اس کی سزا دنیا میں ذلت و رسوائی کے سوا اور کیا ہوگی؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو شدید ترین عذاب میں لوٹایا جائے گا۔ اور جو تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔‘‘

اس آیت کے پس منظر میں یہود کی روش کا بیان ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے بھی وہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ نماز روزے کے حکم پر تو عمل کیا لیکن سود خوری چل رہی ہے‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ جاری ہے۔ اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ تم بھی اگر یہ تقسیم کرتے ہو‘ جزوی اسلام پر عمل کرتے ہو تو اس کا یہ انجام ہے۔ اللہ اس برے انجام سے ہم سب کو محفوظ فرمائے۔

یہاں پر ہماری گفتگو کا پہلا حصہ مکمل ہوا کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام مذہب (religion) نہیں‘ دین یعنی نظامِ زندگی (system of life) ہے۔ انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاملات کے لیے بھی رہنمائی دیتا ہے۔ اصولی بات عرض کر رہا ہوں۔ سیاست کے بارے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہے جب کہ بندوں کے لیے خلافت ہے۔ مرضی اللہ کی چلے گی‘ تمہاری نہیں چلے گی۔ معیشت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کا مالک اللہ ہے اور تم امین ہو۔ پھر یہ کہ حلال ذرائع سے کما سکتے ہو‘ حرام ذرائع سے نہیں۔ حلال کی کمائی حلال‘ جائز راستوں پر خرچ کرو گے‘ حرام راستوں پر نہیں۔ معاشرت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خالق اللہ ہے اور سب بندے بندے ہونے کے ناطے برابر ہیں: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ﴾ (الحجرات: ۱۳) ’’اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر تقویٰ اختیار کرے۔‘‘

ہماری دینی ذِمّہ داریاں

اب اگلے سوال کی طرف آتے ہیں۔ جب اتنا عالیشان دین ہے تو اس کے ماننے والوں پر ذمہ داریاں بھی بہت بڑی ہوں گی۔ ان کو تین سطحوں پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا پہلا دینی فریضہ خود دین پر کاربند ہونا ہے۔ ہمارا دوسرا دینی فریضہ دین کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرنا ہے اور ہمارا تیسرا فریضہ دین کو قائم کرنے کی جدّوجہد کرنا ہے۔ سادہ جملوں میں کہا جائے تو خود اللہ کا بندہ بننا‘ دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا اور اللہ کی بندگی کے نظام کو قائم کرنے کی جدّوجہد کرنا۔

۱) اللہ کا بندہ بننا

اللہ ربّ العزّت نے سورۃ الذاریات میں فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾ ’’میں نے انسانوں اور جنّوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں‘‘۔ اسی کا اقرار ہم نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے۔ اسی کا اقرار ہمارے وزیر اعظم عمران خان بھی کرتے ہیں اور اقوام متحدہ میں بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم دین کے جامع تصور کے مطابق اللہ کے کامل بندے بنیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ہمہ وقت ہمارا معبود ہے اسی طرح ہمیں بھی اس کا ہمہ وقت بندہ بننا ہے۔ ’’عبد‘‘ عربی میں غلام کو کہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ غلام غلام ہوتا ہے‘ ملازم نہیں۔ غلام چوبیس گھنٹے کا غلام ہوتا ہے۔ مالک جو کہے گا‘ غلام کو ماننا پڑے گا۔ مالک کی مرضی کے سامنے غلام کو اپنی مرضی کو جھکانا پڑے گا‘ البتہ ایک فرق ضرور ہے۔ غلام مجبوراً غلامی کرتا ہے‘ محبت کے جذبے کے ساتھ غلامی نہیں کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بندگی مجبوری والی نہیں‘ محبت والی ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ الفاتحہ میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ پہلے ہے اور ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ بعد میں ہے۔ اور ایمان والوں کی کیفیت سورۃ البقرہ (آیت ۱۶۵) میں اس طرح بیان فرمائی گئی: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ﴾ ’’وہ جو ایمان لائے ان کی شدید ترین محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے‘‘۔ شدید ترین محبت کے ساتھ رب کے سامنے اپنے آپ کو جھکانا عبادت ہے۔

ایک بات اور نوٹ کریں کہ کچھ اعمال ہیں جنہیں آپ modes of worship کہہ لیں‘ علماء انہیں تعبدی امور یا مراسمِ عبودیت کہتے ہیں۔ بندہ نماز میں قیام‘ رکوع اور سجدہ کر رہا ہے۔ روزے کی حالت میں ہے۔ اللہ کے گھر کا طواف کر رہا ہے۔ قربانی کر رہا ہے۔ یہ سب عبادت کے اعمال ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ لیکن زندگی کے بہت سارے معاملات میں دو شرائط پوری کی جائیں تو وہ بھی عبادت بن جاتے ہیں۔ یعنی اللہ کا حکم اور اس کے رسول ﷺ کا طریقہ ملحوظ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل:۲۳) ’’والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو‘‘۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ والدین پر محبت کی نگاہ ڈالو تو اللہ تعالیٰ حج کا ثواب عطا فرمائے گا۔ یہ معاملہ والدین کے ساتھ ہے‘ لیکن یہ عبادت بن جائے گا‘ کیونکہ بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انقلاب کی باتیں کی جائیں تو سب کو دلچسپی ہوتی ہے‘ لیکن آج کے انقلابی ساڑھے پانچ فٹ کے وجود پر انقلاب لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس وجود پر اللہ کے حکم کا نفاذ اُس کی محبت کے جذبے کے ساتھ ہو‘ خواہ خوشی کا موقع ہو یا غمی کا‘ اخلاقیات اور حقوق العباد کے معاملات میں‘ کاروبار یا ملازمت کے معاملات میں چوبیس گھنٹے اللہ کی بندگی کی کوشش کرنا عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲) دعوتِ دین کا فریضہ

ہمارا دوسرا فریضہ دین کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ یہ خاتم النّبیین ﷺ کے اُمتی ہونے کے ناطے بھی ہمارا فریضہ ہے۔ گویا یہ دوہری ذمہ داری ہے‘ لہٰذا اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔ خود اللہ کا بندہ بننا اور دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا ہمارا فرض ہے۔ وہ شخص جو اس کام میں اپنا حصہ نہ ڈالے‘ سچی بات یہ ہے کہ وہ امتی کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ امت اسی کام کے لیے تو برپا کی گئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (آیت ۱۴۳)

’’اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا تاکہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوع انسانی پر اور رسول (ﷺ) گواہ ہو جائیں تم پر۔‘‘

اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا‘ یہ امام الانبیاء ﷺ کی مستقل سنت ہے۔ آپ ﷺ کی ۲۳ برس کی محنت‘ غارِ حرا سے نکل کر رحلت تک اسی پر مشتمل تھی۔ یہ گواہی حضور ﷺ نے تین اعتبارات سے دی۔ اپنے قول سے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا‘ اپنے کردار سے اس پیغام پر عمل کر کے دکھایا اور ایک اجتماعی جدّوجہد برپا فرما کر اللہ کے کلمے کو بلند فرما کر گواہی دی۔ آج ہم نے یہ گواہی دینی ہے۔ اسی کام کے لیے اس امت کو برپا کیا گیا۔ ارشاد ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

’’تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا‘ تم نیکی کا حکم دو گے‘ بدی سے روکو گے اور اللہ پر (پختہ) ایمان رکھو گے۔‘‘

امت یہ کام کرے تو اسے واقعتاً عظمت ملے گی اور امتی یہ کام کرے تو واقعتاً امتی قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ان دو فریضوں کا ہمارے ہاں کچھ نہ کچھ خیال رکھا جاتا ہے اور یہ باتیں ہمارے ہاں دینی طبقات میں عام ہیں۔ اللہ کا بندہ بننا چاہیے‘ حرام سے بچنا چاہیے‘ فرائض پر عمل کرنا چاہیے‘ دین کی دعوت دینی چاہیے‘ نیکی کا حکم اور برائی سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ لیکن تیسرے فریضہ کے تعلق سے امت کی عظیم اکثریت سوئی ہوئی ہے‘ بلکہ اب تو لوگ کہتے ہیں کہ ’’یہ کیا بات کر رہے ہیں؟ یہ تو ریڈیکل اور پولیٹکل اسلام ہے!‘‘ یہ وہی بات ہے کہ مذہب کو اپنے ذاتی معاملات تک محدود رکھو‘ ہر بات میں مذہب کو کیوں کھینچ کر لاتے ہو؟ اچھے بھلے مسلمان بھی اس ٹریپ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ دین کے نفاذ اور اس کے لیے جدّوجہد کی باتیں تو انتہا پسندی ہے۔ (معاذ اللہ!) یہ تو ریڈیکل اور پولیٹکل اسلام ہے۔ آپ تعلیمی اداروں کی طرف جائیں۔ اسلامیات کے اساتذہ کو پہلے ہی بتا دیا جاتا ہے کہ پولیٹکل اور ریڈیکل اسلام کی بات نہ کرنا۔ حضور ﷺ کی صداقت‘ دیانت‘ امانت کی بات کرنا۔ ارے بھئی وہ تو ابوجہل بھی مانتا تھا۔ اُس نے آپ ﷺ کو صادق اور امین مانا یا نہیں؟ گویا محمد بن عبداللہ ﷺ کی بات کرنا‘ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بات نہ کرنا۔ آپ ﷺ تو بدر و اُحد میں سپہ سالار بن کر کھڑے ہوئے تھے۔ اُحد میں ستر صحابہ کرامؓ کی لاشیں بھی اٹھائی تھیں۔ کُل ۲۵۹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں

دیکھی تھیں۔ یہ بات نہ کرنا‘ ورنہ مغرب ہم سے ناراض ہوگا۔ اسلام کا سافٹ امیج پیش کرنا۔ آپ میں سے کچھ لوگ کراچی کی ان معروف یونیورسٹیوں سے واقف ہوں گے جہاں امام یحییٰ نیویارک سے آتا تھا اور یونیورسٹی انتظامیہ اور فیکلٹی ممبرز کو اسلام کے سافٹ امیج کے بارے میں درس دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ آپ اسلام کو اس طرح پیش کریں گے تو پرائیویٹ یونیورسٹی کو یو ایس اے سے براہ راست فنڈ ملے گا۔

۳) فریضۂ اقامتِ دین

تیسرا فریضہ دین کو قائم کرنے کی جدّ و جہد کرنا ہے۔ سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۳) میں پانچ جلیل القدر رسولوں حضرات نوح‘ ابراہیم‘ موسیٰ‘ عیسیٰ علیہم السلام اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر آیا ہے کہ ان سب کو جو حکم دیا گیا وہی حکم اس امت کو دیا جا رہا ہے: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ؕ﴾ ’’کہ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں مبتلا نہ ہو‘‘۔ دین تو اپنا غلبہ چاہتا ہے‘ یہ غلبے کے لیے ہی آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت اسی لیے ہوئی تھی کہ دین کو غالب کر دیں۔ اور اگر دین اپنے نظام کے ساتھ غالب نہ ہو تو پورے دین پر عمل ہی نہیں ہوسکتا۔ چور کے ہاتھ کون کاٹے گا؟ ڈاکوؤں کو سزا کون دے گا؟ قاتلوں سے قصاص کون لے گا؟ زکوٰۃ و عشر کی وصولی کون کرے گا؟ کتابِ الٰہی کے مطابق عدالت میں فیصلے کون کرے گا؟ انفرادی طور پر تو یہ سب کچھ کوئی نہیں کرسکتا‘ اس کے لیے سسٹم ضروری ہے۔ یہی تمام رسولوں بشمول امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جدّ و جہد تھی۔ آج یہ ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ہے۔ تنظیم اسلامی کے دروسِ قرآن کے حلقوں میں جو حضرات شریک ہوتے ہیں‘ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو سنتے ہیں‘ ان میں یہ باتیں بہت معروف ہیں۔ البتہ کبھی کبھی عوام الناس کی طرف سے کچھ اس طرح کی بات آتی ہے کہ آپ لوگ کچھ زیادہ جذبات میں آکر بات کرتے ہیں‘ ایسی باتیں تو ہم نے کبھی نہیں سنیں۔ حتیٰ کہ وہ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ ہم نے علماء سے بھی یہ باتیں نہیں سنیں‘ آپ بدعت کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ آج دین پر یہ وقت بھی آ گیا کہ اصل دین پیش ہو تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں کہ کون سا دین پیش کیا جا رہا ہے‘ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ۲۳ برس کی جدّ و جہد میں نظر آتا ہے! اس دین پر کیسا مغلوبیت کا دور آ گیا ہے!

آیئے آپ کے سامنے کچھ پرانی باتیں رکھیں۔ ایک کتاب ’’اسلامی نظامِ خلافت اور

ہماری ذمہ داری‘‘ بہت عرصے پہلے چھپی‘ جسے مولانا زاہد اقبال صاحب نے مرتّب کیا۔ آپ پہلے جامعۃ الرشید کے اساتذہ میں شامل تھے‘ آج کل پنجاب میں ہیں۔ اس کتاب کو الحمدللہ میں نے اپنے ساتھیوں کو پڑھایا ہے۔ اس کتاب کے چند اقتباسات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ’’یہ جان لینا ضروری ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی اور ریاستی) معاملات کے لیے ولایت (خلافت و حکومت) دینِ اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے‘ بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔‘‘

آپ اس کو شریعت کا نفاذ‘ حکومتِ الٰہیہ‘ اسلامی انقلاب‘ اسلامی حکومت‘ ولایت‘ امارت کچھ بھی کہیں‘ یہ سب اصطلاحات معروف ہیں‘ اس کے بغیر مسلمانوں کے دین و دنیا کے معاملات کا پورا ہونا ممکن نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ صرف علم کے میدان کے آدمی ہی نہیں‘ فکر کے میدان کے آدمی بھی تھے۔ وہ صاحب سیف بھی تھے۔ ہمارا ایک طبقہ ان کو own کرتا ہے‘ مگر مسلم ممالک میں خلافت کے قیام کی جدّ و جہد کو غلط قرار دیتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ’’خلافتِ عامہ وہ ریاستِ عامہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیابت کرتے ہوئے عملاً اقامتِ دین کے لیے حاصل ہوئی ہو‘ یعنی علوم دینیہ کا احیاء (سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ معلّمین‘ اساتذہ‘ ائمہ و مؤذنین اور مبلّغین کے لیے وظیفے مقرر کرتے تھے۔ جو کام آج ہم مدارس کے قیام وغیرہ کے ذریعے کر رہے ہیں‘ یہ تمام کام اسلامی ریاست کے کرنے کے تھے۔) ارکانِ اسلام کی اقامت‘ جہاد اور متعلقاتِ جہاد کا قیام جیسے افواج کی ترتیب (خلافت میں افواج کو پالا نہیں جاتا بلکہ افواج باہر نکل کر حکومت کے کام کو آگے بڑھاتی ہیں)‘ مجاہدین کو وظائف دینا‘ مالِ غنیمت کی تقسیم‘ نظام قضاء کا قیام (یعنی عدالتوں کا قیام)‘ حدود کا اجراء‘ مظالم کو دور کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ خلافت کے معنی جانشینی ہے اور عرفِ شرع میں اس سے مراد ان امور کو عملاً قائم کرنا (جو قیامِ خلافت کے بغیر ممکن نہیں) جن کے قائم کرنے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے۔‘‘

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف نمازیں پڑھائیں؟ صرف روزوں کی تعلیم دی؟ صرف ارکانِ حج سکھائے؟ یہ سب کچھ کیا‘ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عدالتی فیصلے فرمائے‘ اللہ کی حدود کو

نافذ کیا‘ مظالم کو دور فرمایا۔ آج یہ حال ہے کہ اگر آپ چھوٹے ہیں تو آپ کو سزا ملے گی اور اگر بڑے لوگوں میں سے ہوں تو ساری ریاستی مشینری آپ کی حمایت میں حرکت میں آ جائے گی۔ عام آدمی سے پانچ سو روپے کا جرمانہ ضرور لیا جاتا ہے اور پوری قوم کو لوٹنے والوں کو facilitate کیا جاتا ہے۔ آج یہ خلافت امت کے کاندھوں پر ہے۔ پہلے انبیاءؑ خلیفہ بھی ہوتے تھے‘ لیکن ختم نبوت کے بعد یہ ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں: ”مقدمۃ الواجب واجبۃ“ یعنی کسی واجب (فرض) کو ادا کرنے کی شرط بھی واجب (فرض) ہوتی ہے۔ اکثر فقہاء کے ہاں واجب اور فرض تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک ہی مفہوم دیتا ہے۔ نماز فرض ہے لیکن بغیر وضو کے ادا نہیں کی جا سکتی۔ نماز فرض ہے لہٰذا اس سے پہلے اس کا مقدمہ (وضو) فرض ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ زکوٰۃ وصول کی جائے۔ عشر بھی اس کے ذیل میں آئے گا۔ لیکن جب تک نظام نہیں ہوگا‘ زکوٰۃ کی وصولی ممکن نہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے‘ زانی کو کوڑے لگائے جائیں‘ قاتل کو سزا دی جائے۔ ان احکامات پر عمل کے لیے نظام کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح سزا دینا فرض‘ لازم اور واجب ہے‘ اسی طرح نظامِ خلافت کا قیام بھی فرض‘ لازم اور واجب ہے۔ اگر نظامِ خلافت نہ ہو تو سزاؤں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

اب ہم فریضۂ اقامتِ دین کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد ؒ بانی تنظیم اسلامی کے احساسات و جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جہاں اللہ کا قانون نافذ نہیں ہے‘ جس کا مالی نظام سود اور جوئے پر مبنی ہے۔ ہم اس کو بدل نہیں سکتے۔ کیا کریں‘ کہاں جائیں ؎

کس طرف جاؤں‘ کسے دیکھوں‘ کسے آواز دوں؟
اے ہجوم نامرادی دل بہت گھبرائے ہے!

دنیا میں ایک انچ پر کوئی ملک موجود نہیں ہے جہاں اللہ کا دین قائم ہو۔ ہماری بندگی جزوی ہے۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں‘ روزے رکھتے ہیں‘ مسجدیں عالیشان بنائی ہوئی ہیں‘ لیکن نظام کفریہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (المائدۃ)

”جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔“

اور کافر کسے کہتے ہیں؟ علامہ اقبال نے کہا تھا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

تمہاری ساری امیدیں امریکہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ مسئلہ طے کرا دے‘ وہ یہ کرا دے‘ وہ کرا دے‘ وہی ہمارے حل کروا دے۔ وہی تو سب سے بڑا چور ہے‘ سب سے بڑا ڈاکو ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا مخالف وہی ہے۔ ہم اسی کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن کا فتویٰ تو یہ ہے کہ انفرادی طور پر تم مسلمان ہو‘ اجتماعی اور قومی سطح پر تم کافر ہو۔ اور مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (المائدۃ)

”اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو مشرک ہیں۔“ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی اور کے حکم پر فیصلہ کر رہے ہیں۔ اس سے بڑا شرک اور کیا ہے؟ اور تیسری مرتبہ فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (المائدۃ)

”اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو فاسق و فاجر ہیں۔“ وہی تو سرکش ہیں‘ وہی تو باغی ہیں‘ وہی تو اللہ کے غدار ہیں۔ اب ان تین آیتوں کی روشنی میں سمجھ لیجیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں!“

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر اسرار احمدؒ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ یہ تین فرائض کا بیان مکمل ہوا۔ ان تین فرائض کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ کے کتابچے ”دینی فرائض کا جامع تصور“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

دینی ذِمّہ داریوں کی ادائیگی کا لائحہ عمل

اگلا سوال ہے کہ ان ذمہ داریوں کو کیسے ادا کیا جائے؟ اس کے لیے طریقۂ کار کے دو حصے ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

اجتماعیت کی ضرورت

پہلی بات کہ یہ کام اکیلے اکیلے نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی انفرادی حیثیت میں بڑا نیک و پارسا بن سکے‘ وہ ایک اچھا مبلغ بن سکے۔ لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی اکیلے اکیلے

اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدّ و جہد کر سکے۔ اس کے لیے اجتماعی جدّ و جہد لازم ہے اور اس اجتماعیت کے تعلق سے جو تین فرائض ہم نے سمجھے (یعنی خود اللہ کا بندہ بننا' دوسروں کو اللہ کا بندہ بننے کی دعوت دینا اور اللہ کی عبادت کے نظام کو غالب کرنے کے لیے جدّ و جہد کرنا) اس کے لیے قرآن ہمیں اجتماعیت اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ جڑ جاؤ۔''

اچھے ماحول سے خیر کا سیکھنا آسان ہوتا ہے' جیسے لوہار کی بھٹی کے پاس جائیں گے تو آگ کی تپش ملے گی اور اگر برف والے کی دُکان پر جائیں گے تو ٹھنڈک ملے گی۔ اسی طرح عطر والے کی دکان پر جائیں گے تو خوشبو ملے گی۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴﴾

''چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی طرف بلائے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

ویسے تو یہ پوری امت کا فریضہ ہے' جیسا کہ سورۂ آل عمران ہی میں آگے ارشاد ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۱۱۰)

''تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے' تم نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے اور اللہ پر (پختہ) ایمان رکھو گے۔''

لیکن امت اگر اس فریضے سے غفلت برت رہی ہو تو جن لوگوں میں دین کی کچھ رمق موجود ہو وہ جمع ہوں اور مل کر یہ کام کریں۔ اللہ کے محبوب بندے اللہ کی راہ میں اجتماعی طور پر جنگ کرتے ہیں' جیسا کہ سورۃ الصّف میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴﴾

''بے شک اللہ محبت فرماتا ہے ان لوگوں سے جو اس کی راہ میں صفیں باندھ کر جنگ کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

جنگ کے مقصد کے بارے میں سورۃ الانفال (آیت ۳۹) میں آیا کہ نظام پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾

اجتماعیت کی بنیاد

اگلا سوال بہت اہم ہے کہ اجتماعیت کیسی ہو؟ اجتماعیت وہ بھی ہے کہ لوگوں نے ایک کلب میں رجسٹریشن کرالی اور ایک آدھ مرتبہ وہاں کا چکر لگا لیا۔ اجتماعیت وہ بھی ہے جو مغرب سے درآمد شدہ رکنیت کے تصور کی حامل ہے۔ لیکن کیا آج اجتماعیت پہلی مرتبہ قائم ہوگی؟ کیا یہ دین جو چودہ صدیاں گزار کر ہم تک پہنچا ہے' اس کے ماننے والوں نے کبھی اجتماعیت قائم نہیں کی؟ یہ وہ نکتہ ہے جس کی طرف آج کے دین دار طبقے کی نگاہیں نہیں جا رہی ہیں۔ آیئے دین سے پوچھیں کہ وہ جماعت سازی کا کیا طریقہ بتاتا ہے۔ اس تعلق سے قرآن حکیم میں بیعت کا ثبوت ملتا ہے جو ''منصوص'' ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ میں بھی بیعت کا ثبوت ملتا ہے جو ''مسنون'' ہے۔ اسلامی تاریخ میں بھی بیعت کا ثبوت ملتا ہے جو ''ماثور'' ہے' یعنی امت کے اسلاف کے طریقے سے چلا آ رہا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک امت میں جماعت سازی کا طریقہ بیعت پر مبنی ملتا ہے۔ ہمارے ہاں تصوف کے سلسلوں کی بیعت بھی معروف ہے۔ ایک فرد اپنی روحانی ترقی کے لیے کسی مرشد سے تعلق قائم کرتا ہے۔ البتہ وہ بیعت جو محمد مصطفیٰ ﷺ نے لی وہ کیا تھی؟ سید احمد شہید رحمہ اللہ جو خود تصوف کے تمام معروف سلسلوں میں بیعت تھے' جب دین کے لیے کھڑے ہوئے اور بحیثیت امیر ''تحریکِ شہیدین'' اعلانِ جہاد کیا تو فرمایا کہ آؤ بیعتِ محمدی کریں! ہم آپ کے سامنے اسی بیعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بات کر رہے ہیں۔

سورۃ الفتح میں بیعتِ رضوان اور سورۃ الممتحنہ میں عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے۔ اس تعلق سے رسول اللہ ﷺ کی سُنّت اور واضح ارشادات موجود ہیں۔ ہجرت سے پہلے مدینے سے لوگ آئے اور انہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ ﷺ نے پورا نظام ترتیب دیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت علی الموت لی۔ سنن نسائی میں حضور ﷺ کی کم از کم دس بیعتوں کا ذکر موجود ہے۔ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بیعت لی۔ جب

امت کے زوال کا آغاز ہوا تو اس کو روکنے کے لیے سیدنا حسین ؓ کھڑے ہوئے‘ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے کوشش کی۔ ان دونوں نے بھی اپنے ساتھیوں سے بیعت لی۔ مختصر یہ کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلاف سے لے کر آج تک ہمیں جماعت سازی کے لیے بیعت کا تصوّر ملتا ہے۔ الحمدللہ‘ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے تنظیم اسلامی کی بنیاد بھی بیعت سمع و طاعت فی المعروف کی سنت پر رکھی۔ اسی سے جماعت کا نظم قائم رہ سکتا ہے‘ اور ایک منظم جماعت ہی کوئی انقلابی کام کر سکتی ہے۔ اس ضمن میں آپ حضرات اگر تفصیل پڑھنا چاہیں تو ’’اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت‘‘ نامی کتابچے کا مطالعہ فرمائیں‘ جو دراصل امریکی ریاست شکاگو میں کیے گئے ایک خطاب پر مبنی ہے۔

اجتماعیت کے معیارات

اگلا سوال یہ ہے کہ جماعت کون سی ہونی چاہیے؟ یہ ایک قابلِ غور معاملہ ہے۔ میں انتہائی دیانت داری کے ساتھ اس کا جواب دلائل کے ساتھ رکھنا چاہوں گا۔ اجتماعیت کے انتخاب کے لیے کچھ معیارات سامنے ہونے چاہئیں۔ میں آپ کے سامنے پانچ معیارات رکھ رہا ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ان معیارات کو ہمارے سامنے رکھا اور فرمایا کہ ان معیارات پر کوئی بہتر جماعت ملے تو آپ اس میں جا سکتے ہیں۔ میں انہی معیارات کی بنیاد پر ۱۹۹۸ء سے تنظیم اسلامی میں شامل ہوں۔ آیئے ان معیارات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اگر آپ کسی جماعت میں شامل ہونا چاہیں تو پہلا معیار یہ کہ اس جماعت کا اعلانیہ مقصد دین کو مکمل نظام زندگی کے طور پر قائم کرنا ہو۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کی جدّوجہد کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ تھا۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں مت پڑو۔ دوسرا معیار یہ کہ جس جماعت میں آپ شامل ہونا چاہیں اس کی دعوت اور نظام تربیت میں قرآن حکیم کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ اس لیے کہ نبی مکرم ﷺ نے تیرہ برس میں قرآن کی محنت سے جماعت تیار کی۔ یہ بات قرآن حکیم میں چار مرتبہ آئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۹ اور ۱۵۱‘ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ اور سورۃ الجمعہ کی آیت ۲ میں یہی بات آئی:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

یعنی حضور ﷺ ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت فرماتے‘ ان کا تزکیہ کرتے‘ ان کو اللہ کی

کتاب کی تعلیم دیتے اور ان کو حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ یہ تمام کام حضور ﷺ نے قرآن ہی سے کیا۔ بشارت اور انذار قرآن کی بنیادی اصطلاحات ہیں۔ سورۂ مریم (آیت ۹۷) میں ہے کہ آپ ﷺ بشارت اور انذار کا فریضہ قرآن کے ذریعے ادا کیجیے۔ سورۃ المائدۃ (آیت ۶۷) میں قرآن کے ذریعے تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ سورۃ الفرقان (آیت ۵۲) میں فرمایا کہ ان کافروں سے قرآن کے ذریعے جہاد کیجیے بڑا جہاد! قرآن کے ذریعے تذکیر کا حکم سورۂ قٓ (آیت ۴۵) میں آیا۔

تیسرا معیار یہ کہ انقلاب کے لیے اس جماعت کا طریقۂ کار سنّتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ ہو۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (آیت ۲۱)

’’یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔‘‘

حضور ﷺ نے غلبۂ دین کی جو جدّوجہد کی ہے وہ قیامت تک ہمارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ چوتھا معیار یہ کہ جماعت کی بنیاد انتہائی منظّم اور سمع و طاعت والے نظام پر ہو۔ بیعت سمع و طاعت فی المعروف کی بنیاد پر قائم جماعت ہی منظّم ہو سکتی ہے۔ ایک منظّم جماعت ہی انقلابی جدّوجہد کے میدان میں اتر سکتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ‘ اللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ‘ وَالسَّمْعِ‘ وَالطَّاعَةِ‘ وَالْهِجْرَةِ‘ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) (رواہ الترمذی واحمد)

’’میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں‘ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: التزامِ جماعت کا‘ (امیر کا حکم) سننے اور ماننے کا‘ ہجرت کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا۔‘‘

پانچواں معیار یہ کہ قیادت کی سیرت و کردار پر اعتماد ہو۔ بعض لوگ کسی جماعت کے دو ایک افراد کے کردار کی بنیاد پر پوری جماعت کے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو مشکل ہو جائے گی۔ عبداللہ بن اُبی اگرچہ منافق تھا لیکن قانوناً تو مسلمان تھا۔ قانوناً وہ حضور ﷺ کی جماعت میں شامل تھا۔ تو کیا اس کے اور اس کے ساتھیوں کے کردار کو دیکھ کر امام الانبیاء ﷺ کی جماعت کے بارے میں کوئی رائے قائم کی

جاسکتی ہے؟ چنانچہ قیادت کے قریب جا کر دیکھنا چاہیے کہ اس میں اخلاص ہے یا نہیں! دین کے نام پر دھوکہ تو نہیں دیا جا رہا؟ دنیاداری کے دھندے تو ملوث نہیں؟ قیادت پر اعتماد محسوس ہو تو اللہ کا نام لے کر اس کی جماعت میں شامل ہو جایا جائے۔ جہاں تک بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا تعلق ہے انہوں نے اپنے تمام معاملات اور حالاتِ زندگی کو ''حسابِ کم و بیش'' نامی کتابچے میں درج فرما دیا۔ تنظیم کے موجودہ امیر حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے حالاتِ زندگی کوئی معلوم کرنا چاہے تو اس کی تفصیل بھی اسے فراہم کر دی جائے گی۔ اکابرینِ تنظیم میں سے کسی سے اگر کوئی ذاتی ملاقات کا خواہاں ہو تو ملاقات کروائی جاسکتی ہے۔ ہم نے' الحمد للہ' ان پانچ معیارات پر تنظیم اسلامی کو کسی درجے میں پایا ہے اور ہم اس میں علیٰ وجہ البصیرت شامل ہیں۔

اسلامی انقلاب کا نبویؐ طریقِ کار

اب اگلا سوال ہے کہ اگر ہم دین کو غالب کرنا چاہیں تو اس کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ اس موضوع پر تفصیلات بہت طویل ہیں' تاہم ان کی چند جھلکیاں میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ یہ طریقہ کار صرف سیرتِ نبوی ﷺ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ ہم یہ بات عقیدت و محبت کی بنیاد پر بھی کہیں گے اور ایمان کی بنیاد پر بھی کہیں گے' مگر دنیا کے جن لوگوں نے اعتدال کی روش کے ساتھ تعصب سے پاک ہو کر ماضی کے انقلابات کا مطالعہ کیا تو ان میں سے کئی ایک کو تسلیم کرنا پڑا کہ پوری تاریخ کا ہمہ گیر اور کامل ترین انقلاب وہ ہے جسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا۔ فرانس کے انقلاب کے نتیجے میں سیاسی نظام میں تھوڑی سی تبدیلی برپا ہوئی' باقی کچھ نہیں بدلا۔ ماضی میں روس میں انقلاب آیا جس سے معیشت کی سطح پر تھوڑی سی تبدیلی آئی' باقی کچھ نہیں بدلا۔ امام الانبیاء ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کے حوالے سے کوئی بتلا دے کہ کہاں تبدیلی نہیں آئی؟ عقائد' عبادات' رسومات' معاشرت' معیشت' سیاست' ریاست' غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں تبدیلی آئی۔ زمین و آسمان سب کچھ بدل گیا۔ یہ واحد مثال صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے انقلاب میں ہے۔ مزید برآں' ایک ہی life span میں انقلاب برپا کرنے کی یہ واحد مثال ہے۔ روس کے انقلاب میں کتاب کسی نے کہیں بیٹھ کر لکھی' تحریک کسی اور نے برپا کی' نتیجہ کسی اور کے ہاتھوں نکلا۔ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کھڑے

ہوئے' جماعت تیار کی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی' صبر کے مراحل سے گزار کر انہیں کندن بنایا' اللہ کی راہ میں کھڑا کیا' باطل سے ٹکرایا۔ ۲۳ برس کی جدّوجہد کی خود ہی قیادت کی اور آپ ﷺ ہی کے ہاتھوں ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ (بنی اسرائیل) ''حق آیا اور باطل مٹ گیا' بے شک باطل ہے ہی مٹنے کے لیے۔''

اگر اس طریقۂ انقلاب کا بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ تجزیہ کیا جائے تو اس کے چھ مراحل ہمارے سامنے آتے ہیں: (۱) دعوت' (۲) تنظیم' (۳) تربیت' (۴) صبرِ محض' (۵) اقدام' اور (۶) مسلح تصادم۔ دعوت انقلابی نظریے کی' اور حضور ﷺ نے جو انقلابی نظریہ پیش کیا وہ کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے' کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور جب معبود وہ ہے تو حاکم بھی وہی ہے۔ اور یہ بات ابوجہل اور ابولہب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ چنانچہ ابوجہل نے کلمے کی مخالفت میں جان دے دی۔ یہ دعوت حضور ﷺ نے قرآن کریم کے ذریعے دی۔ غزوۂ بدر میں جان ہتھیلی پر رکھ کر آنے والے ۳۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی دعوت کے ذریعے میسّر آئے تھے۔ تنظیم دعوت کو قبول کرنے والوں کو منظّم کر کے بنائی گئی۔ انقلاب وہ جس سے اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت انقلاب کی نوعیت کے مطابق کی گئی۔ یہ وہ صحابہ کرامؓ تھے جن کے بارے میں ایرانی جاسوس کہہ گئے کہ ''ھم رُھبانٌ باللیل وفُرسانٌ بالنھار''۔ رات کے راہب جو اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور دن کے شہسوار ہیں۔ یہ دو پہلو آج ہمیں نظر نہیں آ رہے۔ کچھ کام نظر آتا ہے تو اللہ کے ساتھ تعلق کی کمی ہے۔ اقامتِ دین کے نعرے تو ہیں' اقامتِ صلوٰۃ کے لیے فجر کی نماز باجماعت میں کھڑے ہونے کو تیار نہیں۔ اللہ کا نظام قائم کرنا ہے تو اس کے لیے اللہ والے بنانے ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کریم کے ذریعے اللہ والے بنائے۔

''صبرِ محض'' کو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے "Passive Resistance" کا نام دیا ہے' جس کے دوران ہر طرح کے طنز و استہزاء اور جبر و تشدد کو برداشت کرنا اور جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہنا ہے۔ مکہ کے تیرہ برس کے دوران سیّدنا بلال اور سیّدنا خباب رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا کچھ نہ ہوا۔ سیّدہ سمیہ اور سیّدنا یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت آپ کے علم میں ہے۔ مکی زندگی میں صبر ہی صبر ہے۔ یہ صبرِ محض کا مرحلہ ہے' جس میں امام الانبیاء ﷺ نے انقلابی جماعت کی

تیاری فرمائی۔ اس کے مذکورہ چار مراحل ساتھ ساتھ چلے ہیں۔

اس کے بعد اللہ کی مشیت کے تحت رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ہجرت کا مرحلہ بھی آیا اور حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ جو شہر یثرب تھا وہ مدینۃ النبیؐ بنا۔ دورانِ سفر ہجرت اللہ تعالیٰ نے قتال کی اجازت عطا فرمادی۔ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو سورۃ البقرۃ میں قتال کا حکم بھی آ گیا۔ ہجرت کے چھ ماہ بعد حضور ﷺ نے اقدام فرمایا اور قریش کی سردی گرمی کی جو تجارت چلتی تھی اس کو بلاک کیا۔ گویا ان کی معاشی ناکہ بندی کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے قبل حضور ﷺ نے آٹھ فوجی مہمات مکہ کی طرف روانہ فرمائیں جن میں سے چار غزوات ہیں جن میں حضور ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے اور چار سرایہ میں کسی صحابیؓ کو ذمہ دار بنا کر آپ ﷺ نے روانہ فرمایا۔ ان مہمات کے بعد حضور ﷺ کا ارادہ اس قافلے پر ہاتھ ڈالنا تھا جو ابوسفیان کی قیادت میں شام جا رہا تھا' جس کے نتیجے میں غزوۂ بدر کا معرکہ برپا ہوا اور مسلّح تصادم (Armed Conflict) کا مرحلہ شروع ہوا۔ انقلابِ نبویؐ کے دو بڑے فیز (phase) ہیں' یعنی انقلابی جماعت کی تیاری اور اس کے بعد باطل نظام کو چھیڑنا جس سے تصادم کا مرحلہ تکمیل کو پہنچا۔ اگر سیرت النبی ﷺ کا اس زاویے سے مطالعہ کیا جائے تو فلسفہ انقلاب اور اس کے چھ مراحل ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حالاتِ حاضرہ میں مسلّح تصادم کا متبادل

اب دیکھنا یہ ہے کہ سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں موجودہ حالات کے اعتبار سے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ انقلابِ نبویؐ کے پہلے پانچ مراحل میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ دعوت آج بھی کلمے کے تقاضوں کی دینی ہے۔ آج ہم حسن اسکوائر پر بیٹھ جائیں اور صبح سے شام تک دس ہزار مرتبہ کلمے کا ورد کرتے رہیں تو لوگ پاؤں دبائیں گے' وظیفے پوچھیں گے' مٹھائی اور کپڑے بھی پیش کریں گے۔ لیکن اگر ہم کہیں کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ گھر' کاروبار' پارلیمنٹ اور عدالت میں ہمارا ''الٰہ'' اللہ ہے تو وہی ردّعمل ہوگا جو چودہ سو برس پہلے ہوا تھا۔ انقلابی دعوت آج بھی قرآن سے دی جائے گی۔ جو دعوت قبول کریں انہیں منظم کیا جائے گا' اس لیے کہ جماعت سازی ناگزیر ہے۔ تربیت آج بھی اللہ والے بنانے کی کی جائے گی۔ اللہ

کا نظام لانا ہے تو اللہ والے چاہئیں۔ جب تک انقلاب کی تیاری چل رہی ہے تو کوئی تشدد ہو یا طنز و طعن کے تیر برسائے جائیں' کردار کشی کی جائے تو برداشت کیا جائے گا۔ جب جماعت تیار ہو جائے تو باطل نظام کی کسی دُکھتی رگ کو چھیڑا جائے گا۔ ظاہر ہے اب وحی نہیں آئے گی' مشورے کے ذریعے اقدام کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں جو نظام کے رکھوالے ہیں یا جن کے مفادات باطل نظام سے وابستہ ہیں' ان سے ٹکراؤ تو ہوگا۔

انقلاب کے چھٹے مرحلے یعنی مسلّح تصادم کے اعتبار سے دورِ نبوی ﷺ اور موجودہ حالات میں دو اہم فرق پیش نظر رکھنا ہوں گے۔ ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ ایک خالص کافرانہ و مشرکانہ معاشرے میں ہوئی تھی' جب کہ ہمارا تعلق ایک مسلمان معاشرہ سے ہے اور ہمیں اس میں کام کرنا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ نوعِ انسانی کا جو تمدنی ارتقاء ہوا ہے اس کے اعتبار سے کسی بھی ملک میں جو حکومت ہوتی ہے اس کے پاس تمام وسائل اور پوری قوت موجود ہوتی ہے' جبکہ عوام اب بالکل نہتے ہو گئے ہیں۔

چھٹے مرحلے میں کلمہ گو حکمرانوں سے تصادم کے ضمن میں فقہاء نے دو شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی یہ کہ حکمران کھلم کھلا کفر کا نفاذ کر رہے ہوں' اور دوسری یہ کہ اس حد تک مناسب اسباب اختیار کر لیے جائیں کہ فتح کا غالب امکان محسوس ہو۔ لیکن موجودہ دور میں اسباب یعنی ہتھیاروں اور عسکری تربیت کے اعتبار سے حکومت اور عوام میں بہت زیادہ عدم توازن ہے اور حکومت کے ساتھ مسلّح تصادم کی صورت میں فتح کا کوئی امکان نہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اِدھر چند تلواریں تھیں اور اُدھر بھی تلواریں تھیں مگر زیادہ تھیں۔ آج عوام کے پاس ٹینکوں کا مقابلہ کرنے کے اسباب نہیں۔ ان کے پاس میزائل ٹیکنالوجی نہیں' ایئر فورس نہیں۔ یہ عدم توازن کا معاملہ ہے جس کی وجہ سے کلمہ گو مسلمان حکمرانوں کے خلاف فقہاء کی اصطلاح میں ''خروج'' موزوں نہیں ہے۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ شریعت کا اصول ہے کہ حالات بدلنے کے ساتھ حکم بھی بدل جاتا ہے۔ قتال کا متبادل طریقہ جو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے تجویز کیا اور جس کی گواہی اب' الحمدللہ' علماء کے طبقے سے بھی آ رہی ہے' وہ پُرامن احتجاجی تحریک ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ ''نہی عن المنکر بالید'' کی ایک صورت ہوگی' لیکن اس کے لیے صبر محض کا انداز اختیار کیا جائے گا۔ سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ‘ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ‘ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ‘ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) (رواہ مسلم)

’’جو کوئی تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے زورِ بازو سے بدل دے‘ پھر اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اسے اپنی زبان سے بدل دے‘ اور اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو اسے دل میں برا جانے‘ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔‘‘

حدیث میں آیا کہ اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ’’صبرِ محض‘‘ کے انداز میں نہی عن المنکر بالید یعنی طاقت کے ذریعے برائی کو بدلنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کے لیے پہلے اپنے وجود پر ممکنہ حد تک شریعت کو نافذ کرنا ہوگا۔ اللہ والے منظم ہو کر شریعت کے نفاذ کا مطالبہ لے کر جانیں پیش کرنے کے جذبے کے ساتھ میدان میں آ کر کھڑے ہوں۔ یہ نہیں کہ دن میں چلے گئے تو رات میں آ گئے‘ رات گئے پھر چلے گئے تو صبح ناشتہ کر کے دوبارہ آ گئے۔ یہاں تو تخت یا تختہ والی بات ہوگی۔ یا تو جان لے لو یا شریعت دے دو۔ اپنی جانیں دے دیں گے‘ کسی دوسرے کی جان نہیں لیں گے۔ یہ یکطرفہ جنگ ہوگی۔ یہ آج کے زمانے میں ممکن ہے۔

اس ضمن میں میں ڈاکٹر صاحبؒ کی دو کتابوں کا حوالہ دوں گا۔ ایک کا عنوان ہے ’’منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ‘‘۔ ایرانی انقلاب ۱۹۷۹ء میں آیا۔ اس کے چند سال کے بعد جمعہ کے گیارہ خطبات میں ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے نبی اکرم ﷺ کے منہجِ انقلاب کو بہت تفصیل سے بیان کیا۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے یہی مضمون مختصراً اڑھائی گھنٹوں میں ’’رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب‘‘ کے عنوان سے بیان کیا‘ جسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ یہ خطاب آڈیو اور ویڈیو میں بھی موجود ہے۔ ان کتابوں کا اگر آپ مطالعہ کریں گے تو جو باتیں میں نے مختصراً انقلابی مراحل کے طور پر بیان کی ہیں‘ ان کی تفصیلات آپ کو مل جائیں گی۔

متفق گردید.....

۱۴/اپریل ۲۰۱۰ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں مکتبۂ دیوبند کا ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں تقریباً ۲۵۰ دینی اور سیاسی قیادتیں موجود تھیں۔ یہ اجتماع ۱۵/اپریل ۲۰۱۰ء کو اختتام پذیر

ہوا۔ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے اس کا اعلامیہ تحریر فرمایا اور بعد ازاں مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ نے اسے ’’دہشتگردی اور موجودہ ملکی اور علاقائی صورتحال میں علمائے دیوبند کا موقف‘‘ کے عنوان سے اخبارات میں شائع فرمایا۔ اس اجتماع میں دیگر علماء سمیت ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر‘ مفتی محمد رفیع عثمانی‘ مولانا سلیم اللہ خان‘ مولانا فضل الرحمٰن‘ مولانا سمیع الحق‘ قاری محمد حنیف جالندھری اور مولانا اللہ وسایا صاحبان شامل تھے۔ اعلامیہ کے چند مندرجات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

’’ملک بھر کے علماء کا یہ اجتماع عام مسلمانوں کے اس احساس میں برابر کا شریک ہے کہ ہمارا ملک جن گوناگوں مسائل کا شکار ہے اور اپنی نازک ترین تاریخ سے گزر رہا ہے‘ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کے جس عظیم مقصد کے لیے مملکتِ خداداد حاصل کی گئی اس کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے اور عملاً اسلامی نظامِ زندگی اور اسلامی نظامِ عدل کی طرف پیش قدمی کی بجائے ہم اس منزل سے دور ہوتے چلے گئے ہیں۔ یہ اجتماع متفقہ طور پر سمجھتا ہے کہ مندرجہ ذیل اقدامات ناگزیر ہیں:

۱) اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اسلام ہی نے یہ ملک بنایا تھا اور اسلام ہی اسے بچا سکتا ہے‘ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک میں اسلامی تعلیمات اور قوانین کے نفاذ کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارا دینی فریضہ بھی ہے اور ملک کے آئین کا اہم ترین تقاضا بھی‘ اور اسی کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ملک میں انتہا پسندی کی تحریکیں اٹھی ہیں۔ اگر ملک نے اس مقصدِ وجود کی طرف واضح پیش قدمی کی ہوتی تو ملک اس وقت انتہا پسندی کی گرفت میں نہ ہوتا۔ لہٰذا وقت کا اہم تقاضا ہے کہ پُرامن ذرائع سے پوری نیک نیتی کے ساتھ ملک میں نفاذِ شریعت کے اقدامات کیے جائیں‘ اس کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل اور فیڈرل شریعت کورٹ کو فعال بنا کر ان کی سفارشات اور فیصلوں کے مطابق اپنے قانونی اور سرکاری نظام میں تبدیلیاں بلا تاخیر لائی جائیں اور ملک سے کرپشن‘ بے راہ روی اور فحاشی و عریانی ختم کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

۲) تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے مقاصد پر نفاذِ شریعت کے مطالبے کو اوّلیت دے کر حکومت پر دباؤ ڈالیں اور اس کے لیے مؤثر مگر

پُرامن جِدّ وجُہد کا اہتمام کریں‘ اور عوام کا فرض ہے کہ جو جماعتیں اور ادارے اس مقصد کے لیے جِدّ وجُہد کر رہے ہیں ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔‘‘

تنظیم اسلامی ایک چھوٹی جماعت ہے‘ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کوئی بہت بڑے عالمِ دین اس معنی میں نہیں تھے جس معنی میں بہت بڑے بڑے بزرگ علماء موجود ہیں۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ مکتبۂ دیوبند کی چوٹی کی قیادت اسی بات پر اتفاق کر رہی ہے جو ڈاکٹر صاحبؒ تیس سال سے بیان کرتے رہے ہیں۔ گویا ع ’’متفق گردید رائے بُوعلی با رائے من!‘‘

۲۰۱۸ء میں ریاستی اداروں نے دہشتگردی وغیرہ کے خلاف قومی سطح پر ایک بیانیہ تیار کرایا۔ اس کے لیے چوٹی کے علماء کی تجاویز لی گئیں۔ مفتی منیب الرحمٰن مدظلہ نے اس بیانیے پر اپنا اختلافی نوٹ بھی لکھوایا۔ اس کے بعد ریاستی اداروں نے ملک کے بعض بڑے شہروں میں کچھ بڑے علماء کو بلوا کر ان سے تقاریر کرائیں۔ اس بیانیہ کو ’’پیغامِ پاکستان‘‘ کا نام دیا گیا تھا۔ وہاں مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے پچیس منٹ کی گفتگو کی۔ دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے فرمایا:

’’کیا آج تک میں نے‘ آپ نے اور مذہبی جماعتوں اور سیاسی جماعتوں نے کوئی جلسوں اور جلوسوں پر مبنی تحریک نفاذِ شریعت کے لیے چلائی؟ اس سوال کا جواب ہم سب کے ذمے ہے۔ نفاذِ شریعت ایک مجمل لفظ ہے۔ اگر تحریک چلائی جائے تو اس میں متعین کر کے نمبروار مطالبات رکھے جائیں۔ اس کی عملی شکل اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ ان مطالبات کو عملاً کیسے نافذ کیا جائے گا؟ آپ کے پاس اس کا پورا پروگرام ہونا چاہیے۔ اس طرح کوئی تحریک چلائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ملک میں ہم جس بات کا رونا روتے ہیں کہ منزل تک نہیں پہنچ سکے‘ اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔ تلوار اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے‘ نہ اس کے لیے بندوق چلانے کی ضرورت ہے‘ نہ اس کے لیے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے جس کے ذریعے ہم پاکستان کو مان کر یہاں اسلامی ریاست اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے اپنے فرائض ادا کریں تو ان شاء اللہ حکومت گھٹنے ٹیک دے گی۔ حکومتیں اس بات کو دیکھتی ہیں‘ آج کل حکومتوں کا رواج یہ ہے۔ میری اس صاف گوئی پر معاف کیجئے گا کہ انگریز کے زمانے سے ایک رجحان حکومتوں میں چل گیا ہے کہ جو شخص جتنا تگڑا جوتا لے کر آئے گا وہ ہم سے اپنے مطالبات منوا لے گا‘ اور جو خیر خواہی

کے ساتھ عرض کرے کہ یہ کام کر لیں تو اس کی بات ہوا میں اڑ جاتی ہے‘ وہ محض مسکراہٹوں اور مصافحوں کی نذر ہو جاتی ہے۔‘‘

جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ یہی بات تنظیم اسلامی تیس سال سے کہہ رہی ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی یہ تقریر ۲۰۱۸ء کی ہے اور علمائے دیوبند کا موقف ۲۰۱۰ء کا ہے۔ اس سے بہت پہلے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے انقلاب کے آخری مرحلے کے بارے میں جو فرمایا ہے‘ اسے بھی ملاحظہ فرمالیں:

’’اب ایک ہی راستہ منظم اور پُرامن احتجاج کا رہ گیا ہے۔ ایک ایسی عوامی تحریک جو توڑ پھوڑ نہ کرے‘ نہ کسی ٹریفک لائٹس کو توڑے اور نہ کسی بس کو جلائے۔ بس کسی کے باپ کی نہیں قوم کی ہے۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ چلائیں۔ جو کاریں جلائی جاتی ہیں وہ تم جیسے ہی لوگوں کی ہوتی ہیں۔ نہ کسی کی املاک کو نقصان ہو‘ نہ کسی کی جان پر کوئی حملہ ہو۔ خود جانیں دینے کو تیار ہوں۔ اس کو میں یکطرفہ جنگ کہتا ہوں۔ ہم نے بہت درخواستیں کر لیں‘ ہاتھ جوڑ لیے کہ خدا کے لیے فلاں چیز ختم کرو۔ اب ہم اسے نہیں ہونے دیں گے‘ اب ہم گھیراؤ کریں گے۔ نہ کسی کو نکلنے دیں گے اور نہ اندر جانے دیں گے۔ چلاؤ ہم پر گولیاں! یہ طریقہ ہے جس پر ہمیں کام کرنا ہے۔ ورنہ اگر ہم کسی پر تلوار اٹھائیں تو کس کے خلاف اٹھائیں گے؟ کیا ائیر فورس کے خلاف؟ کیا ایئر فورس سال میں دو بار استعمال نہیں ہوئی؟ کیا ایئر فورس کے ذریعے حافظ الاسد نے ہزاروں اخوانیوں کو ختم نہیں کیا؟ شہر حما کے الاخوان کے مرکز کو بمباری کر کے اڑا دیا۔ اب مقابلہ عدم توازن پر مبنی ہے‘ لہٰذا دو طرفہ جنگ نہیں ہو سکتی۔ ہاں جہاں ممکن ہو‘ کوئی پہاڑی ملک ہو‘ تو وہاں چھاپہ مار جنگ ممکن ہو سکتی ہے۔ جنگ حرام نہیں ہے۔ دین کو قائم کرنے کے لیے حضور ﷺ نے جنگ لڑی ہے تو ہم بھی لڑ سکتے ہیں اور کلمہ گو کے خلاف بھی لڑ سکتے ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے کہ خواہ مسلمان حکمران ہو لیکن اگر فاسق و فاجر ہے‘ اس کے خلاف بغاوت کی جا سکتی ہے۔ پہلے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبان سے کرو۔ اگر زبان سے کہنا اثر انداز نہیں ہوتا تو تلوار کے ذریعے سے کرو۔ جائز تو ہے‘ لیکن جائز ہونا اور ہے اور عملاً ممکن ہونا اور ہے۔ دس لاکھ کی فوج سامنے ہے‘ ان کے پاس ٹینکس ہیں۔ آپ کیا کریں گے؟‘‘

”تنظیم اسلامی کی دعوت“ نامی کتابچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ایک خطاب ہے۔ اس میں ہماری دینی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے: خود اللہ کے بندے بنو اور دوسروں کو اللہ کے بندے بننے کی دعوت دو اور بندگی کے نظام کے قیام کے لیے جدّوجہد کرو۔ یہ کام اجتماعی سطح پر ہی ہوسکتا ہے اور تنظیم اسلامی اس کے لیے آپ کو دعوت دیتی ہے۔ یہ کام حضورﷺ کے منہج کے مطابق ہوگا جس کے چھ مراحل ہمارے سامنے آئے اور انہی پر عملدرآمد کے لیے تنظیم اسلامی بھی کوشاں ہے۔

حرفِ آخر

آخر میں میں اپنا دردِ دل اہل کراچی کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ ہم مہاجروں کی اولاد ہیں۔ ہمارے آباء واَجداد نے یہ ملک شریعت کے لیے حاصل کیا تھا۔ پاکستان ایک تحریک کے ذریعے اسلام کے نام پر حاصل ہوا تھا اور یہ تحریک ہی سے بچے گا۔ تحریک ہی سے‘ان شاء اللہ‘ یہاں اسلام قائم ہوگا۔ ہماری جانیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ امام الانبیاءﷺ کا خون اللہ کی راہ میں طائف کی گلیوں میں بھی بہا ہے اور اُحد کے میدان میں بھی۔ ہماری جانیں قیمتی ہوجائیں گی اگر ہم محمدٌ رسول اللہﷺ کے کام میں کام آجائیں۔ اس شہر کی دو ڈھائی کروڑ کی آبادی ہے اور یہاں کے نوجوانوں میں بڑا جوش ہے۔ یہ جوش کہاں کہاں استعمال ہوا‘ اس سے ہم سب واقف ہیں۔ کل اللہ پوچھے گا کہ تمہاری قوت ہمارے دین کے لیے استعمال ہوئی؟ تمہارے جذبات میرے دین کے لیے استعمال ہوئے؟ تمہارے لیڈروں کی شان میں گستاخی ہوتی تھی تو تم شہر کو جلاتے تھے۔ میرا دین مغلوب تھا‘ تمہیں کوئی پریشانی ہوئی؟ تمہیں اپنے معمولی نقصانات پر غصّہ آتا تھا۔ میرا دین مغلوب رہا‘ تمہیں اس پر کوئی افسوس ہوا؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ (الصف:۱۴) ”اللہ کے مددگار بن جاؤ!“ اگر اللہ کی اس پکار پر لبیک کہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعزاز بخشے گا۔ تم اگر اس کے دین کے لیے کھڑے ہوگے تو اللہ تمہیں اپنا مددگار قرار دے گا‘ رسول اللہﷺ تمہیں شرفِ ملاقات عطا فرمائیں گے۔ حضورﷺ کی تمنا مسند ابی شیبہ کی حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ آپﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا کہ میں اپنے ان بھائیوں سے ملنا چاہتا ہوں جو تمہارے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان لائے ہو‘ اور

میری تصدیق کریں گے جیسے تم نے میری تصدیق کی ہے‘ اور دین کے معاملے میں میری مدد کریں گے جیسے تم نے میری مدد کی ہے۔ ہم چھوٹے ہیں‘ اللہ کا دین بڑا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو عزّت اللہ کے دین سے ملی‘ ہم سب کو بھی عزّت اللہ کے دین سے ملے گی۔ اور اتنی عزّت کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم نے مشرکین کو قتل نہیں کیا بلکہ میں نے قتل کیا اور آپﷺ نے ان پر مٹی نہیں پھینکی بلکہ میں نے پھینکی ہے۔ بندہ اللہ اور اس کے دین کے لیے کھڑا ہو اور اس کے لیے اپنے آپ کو لگائے اور کھپائے تو عمل بندہ کرتا ہے لیکن اللہ کہتا ہے کہ یہ عمل تم نے نہیں‘ میں نے کیا ہے۔ ہم اللہ کی نگاہ میں بڑے ہو جائیں گے۔ ہم اس کے دین کو تھامیں وہ ہمیں عزّت دے گا۔ یہی تنظیم اسلامی کی دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ---- وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

❀❀❀

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبیﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبویﷺ

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغام:

نوجوانانِ اسلام کے نام

محمد رشید عمر ☆

بارہ سال کی عمر میں انتہائی خوبصورت چہرے کو انوارِ نبوت کی کرنیں سعادت بخش رہی تھیں۔ ان کے چھوٹے بھائی بنیامین اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کے تارا تھے جنہیں والد محترم حضرت یعقوب ایک لمحہ کے لیے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان کے بقیہ دس بھائیوں کے لیے یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ایک جماعت ہیں' دکھ درد میں کام آنے والے' لیکن والد صاحب ہمیں وہ توجہ نہیں دیتے جو یوسف اور اس کے بھائی کو دیتے ہیں۔ والد محترم کی نگاہوں کا مرکز بننے کے لیے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ کسی طرح یوسف کو غائب کر دیا جائے۔ اس حسد کی بنا پر کھیل کود کے بہانے یوسف کو جنگل میں لے جا کر اندھے کنویں میں ڈال دیا اور والد صاحب کو ان کا خون آلود لباس دکھا کر جھوٹی کہانی بیان کر کے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ ہم آپس میں دوڑیں لگا رہے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس بٹھایا تھا' جسے بھیڑیا کھا گیا۔

مصر جانے والا ایک قافلہ اس جنگل سے گزرا۔ انہوں نے پانی کی تلاش میں اپنا آدمی بھیجا۔ اتفاق سے وہ آدمی اس کنویں پر پہنچا جس میں یوسف موجود تھے۔ اس نے پانی کا ڈول اس میں پھینکا' زور لگا کر ڈول باہر کھینچا تو پانی کے بجائے ایک انتہائی خوبصورت لڑکے کو ڈول میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ قافلے والوں نے حضرت یوسف کو سامانِ تجارت سمجھ کر سنبھال لیا اور لے جا کر مصر کے بازار جس میں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی' بیچ دیا۔ وہاں عزیز مصر نے انہیں خرید لیا' جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے عام غلاموں کی طرح نہیں' بلکہ اچھے طریقے سے رکھو۔

☆ رابطہ: 0348-6722637

جوں جوں حضرت یوسف علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچ رہے تھے علم و حکمت کے ساتھ جسمانی خوبصورتی کا شاہکار بن رہے تھے۔ کوئی انیس سال کو پہنچے ہوں گے کہ عزیز مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی۔ اس نے دل و جان سے چاہا کہ وہ اس جوانِ رعنا سے شہوتِ نفس کی تسکین حاصل کرے۔ ایک دن موقع پا کر اس نے حضرت یوسف کو کمرے میں بند کر لیا اور عریاں دعوتِ گناہ دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں اللہ سے مدد طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں برہان دکھا کر اس کی دعوت پر مائل ہونے سے بچا لیا۔ یہ برہان کیا تھی جس نے بے حیائی کی پرزور دعوت کے مقابلے میں آپ کے قدم مضبوط کر دیے۔ تفسیرِ عثمانی کے مطابق برہان کے معانی ہیں اعمال کے نتائج کا عین الیقین۔ باری تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور آناً فاناً ان کو سمجھ آ گئی کہ اگر وہ اس کی طرف مائل ہو گئے تو مالک حقیقی کی نگاہوں میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہے گی اور گھر کے مالک کی نگاہوں سے بھی گر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ﴾ (یوسف:۲۴) ''اس طرح ہم نے اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کر دیا۔''

اس عورت سے پلّہ چھڑانے کی کوشش میں ان کی قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ جونہی کمرے کے دروازے سے باہر لپکے تو دروازے پر عورت کے خاوند سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ یہ دیکھتے ہی عورت نے پینترا بدلا اور حضرت یوسفؑ پر دست درازی کا الزام لگا یا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دفاع میں اس الزام کو مسترد کر دیا۔ ایک نزاع کی صورت پیدا ہوگئی جس کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کے گھر والوں میں سے ایک آدمی کو بطور منصف کھڑا کر دیا۔ اس نے کہا کہ دیکھا جائے کہ اس کشمکش میں یوسف کی قمیص اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو یوسف سچا اور عورت جھوٹی ہے اور اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے۔ عورت کے خاوند نے جب دیکھا کہ یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو فوراً سمجھ گیا کہ یہ الزام عورت کی چال ہے جو اس نے اپنی خفت مٹانے کے لیے یوسف پر لگا یا ہے۔ اس نے عورت کو ڈانٹا اور یوسف سے درگزر کرنے کی درخواست کی۔ وہ پہلے ہی یوسف کو بڑی چاہت سے خرید کر لایا تھا۔ حضرت یوسفؑ کے اس کردار نے یقیناً اس کی نظروں میں عزت و وقار کا ایک مقام حاصل کر لیا۔ لیکن یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا کہ دب کے رہ جاتا۔ اس کی خبر معاشرے

میں پھیل گئی۔ اشرافیہ کی عورتوں نے عزیزِ مصر کی بیوی کو مجالس میں ملامت کرنا شروع کر دیا کہ یہ کیسی عورت ہے جو گھر کے نوجوان غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے۔ عزیزِ مصر کی بیوی پہلے ہی اپنی شہوت کی تسکین نہ ہونے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی' اس نے اپنی دیوانگی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اپنے اردگرد کی اشرافیہ کی عورتوں کو دعوت دی۔ مجلس میں تواضع کے لیے ان کو چھریاں اور پھل پیش کیے۔ عین اس وقت جب وہ پھلوں کو ہاتھوں میں پکڑ کر کاٹنے لگیں یوسف کو ان کے سامنے لے آئی۔ یوسف کو دیکھ کر ان عورتوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ عورتیں اتنی بےخود ہوگئیں کہ پھلوں کی بجائے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اب عزیزِ مصر کی بیوی نے ان کی باتوں کا جواب دیا کہ یہ ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں' دیکھو تم نے خود اپنا کیا حال کر لیا ہے۔ اب اگر یوسف نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں اسے جیل میں ڈلوا دوں گی اور ذلیل و خوار (نعوذ باللہ) کر دوں گی۔

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے مالک حقیقی سے نہایت عاجزی سے دعا مانگتے ہیں:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝۳۳ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۳۴﴾ (یوسف)

''اے میرے ربّ! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں' اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ تو اُس کے رب نے اُس کی دعا قبول کر لی اور اُن عورتوں کی چالوں کو اس سے پھیر دیا۔ یقیناً وہی ہے سننے والا' جاننے والا۔''

''یہ آیات ہمارے سامنے ان حالات کا عجیب نقشہ پیش کرتی ہیں جن میں اُس وقت حضرت یوسف مبتلا تھے۔ انیس بیس برس کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدویانہ زندگی سے بہترین تندرستی اور بھری جوانی لیے ہوئے آیا ہے۔ غریبی' جلاوطنی اور جبری غلامی کے مراحل سے گزرنے کے بعد قسمت اسے دنیا کی سب سے بڑی متمدن سلطنت کے پایہ تخت میں ایک بڑے رئیس کے ہاں لے آئی ہے۔ یہاں تو پہلے اس گھر کی بیگم ہی اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب و روز کا واسطہ ہے' پھر اس کے حسن کا چرچا سارے دارالسلطنت میں پھیلتا

ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں اس پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف سینکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اُسے پھانسنے کے لیے پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر طرح کی تدبیریں اس کے جذبات کو بھڑکانے اور اس کے زہد کو توڑنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ جدھر جاتا ہے یہی دیکھتا ہے کہ گناہ اپنی ساری خوشنمائیوں اور دل فریبیوں کے ساتھ دروازے کھولے اس کا منتظر کھڑا ہے۔ کوئی تو فجور کے مواقع خود ڈھونڈتا ہے مگر یہاں مواقع خود اس کو ڈھونڈ رہے ہیں اور اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جس وقت بھی اس کے دل میں برائی کی طرف ادنیٰ میلان پیدا ہو وہ فوراً اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے وہ اس خطرے میں بسر کر رہا ہے کہ کبھی ایک لمحے کے لیے اس کے ارادے کی بندش میں کچھ ڈھیل آ جائے تو وہ گناہ کے ان بےشمار دروازوں میں سے کسی میں داخل ہو سکتا ہے جو اس کے انتظار میں کھلے ہوئے ہیں۔ اس حال میں یہ خدا پرست نوجوان جس کامیابی کے ساتھ ان شیطانی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ بجائے خود کچھ کم قابلِ تعریف نہیں ہے' مگر ضبطِ نفس کے اس حیرت انگیز کمال پر عرفانِ نفس اور طہارتِ فکر کا مزید کمال یہ ہے کہ اس پر بھی اس کے دل میں یہ متکبرانہ خیال نہیں آتا..... اس کی بجائے وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ اٹھتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے مدد کی التجا کرتا ہے: اے ربّ! میں ایک کمزور انسان ہوں' میرا اتنا بل بوتا کہاں کہ ان ترغیبات کا مقابلہ کر سکوں' تو مجھے سہارا دے اور مجھے بچا۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں—— یہ درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام کی اخلاقی تربیت کا اہم ترین اور نازک ترین مرحلہ تھا۔ دیانت' امانت' عفت' حق شناسی' راست روی' انقباط اور توازنِ ذہنی کی غیر معمولی صفات ان کے اندر چھپی ہوئی تھیں اور جن سے وہ خود بھی بےخبر تھے' وہ سب کی سب اس شدید آزمائش کے دور میں اُبھر آئیں' پورے زور سے کام کرنے لگیں اور انہیں خود بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے اندر کون کون سی قوتیں موجود ہیں اور وہ ان سے کیا کام لے سکتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن)

پہلے صرف عزیز کی بیوی آپؑ کو پانے میں مری جا رہی تھی اب زنانِ مصر میں بھی ان کو پانے کی مسابقت شروع ہوگئی تو اصحابِ امر کو اس مسئلہ کا حل اسی بات میں نظر آیا کہ یوسفؑ کو قید کر کے جیل میں بند کر دیا جائے۔ جب انہیں جیل میں ڈالا گیا تو ان کے ساتھ دو اور نوجوان

بھی جیل میں بھیجے گئے۔ ان کے ساتھ میل ملاپ میں انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو نہایت علیم وحکیم اور معاملہ فہم ہستی ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے ان کے سامنے اپنے خواب بیان کر کے ان سے ان کی تعبیر چاہی۔ اس موقع پر پہلی بار حضرت یوسف علیہ السلام اپنے آباء واَجداد اور عقائد ونظریات کا تعارف کرواتے ہیں اور خوابوں کی تعبیر بیان کرنے سے پہلے ان کے سامنے دعوتِ دینِ حق پیش کرتے ہیں:

﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾ (یوسف)

''اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کرتے رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واَجداد نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے اس کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی (نظامِ حیات) ہے' مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

اس کے بعد اس نے جس شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ شراب کشید کر رہا ہے' اس کی تعبیر میں حضرت یوسفؑ نے اسے بتایا کہ تم بادشاہ کو شراب پلانے کی ملازمت پر بحال ہو جاؤ گے' اور جس نے خواب یہ بیان کیا تھا کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہے جس میں سے پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں' اسے بتایا کہ تمہیں سولی چڑھا دیا جائے گا اور پرندے تمہارا گوشت نوچ کر کھائیں گے۔ جس شخص کے متعلق آپؑ کو خیال تھا کہ وہ بحال ہو جائے گا اُس سے کہا کہ اپنے مالک (عزیز مصر) سے میرا ذکر کرنا کہ مجھے کس قصور میں جیل میں ڈالا ہوا ہے۔ وہ باہر جا کر عزیز سے ان کا ذکر کرنا بھول گیا۔ چند سال کے بعد عزیز مصر نے خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات تروتازہ خوشے ہیں اور سات خشک۔ اس نے اپنے اہلِ علم اور درباریوں سے اس خواب کی تعبیر جاننا چاہی' مگر وہ اس خواب کی تعبیر نہیں بتا سکے۔ اب اس جیل کے قیدی کو جسے یوسفؑ نے اس کے خواب کی تعبیر بتائی

تھی' یوسف کی یاد آ گئی کہ وہی اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے۔ اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر اسے جیل میں بھیجا جائے تو وہ اس خواب کی تعبیر لا کے دے سکتا ہے۔ چنانچہ وہ جیل میں جا کر حضرت یوسفؑ سے اس خواب کی تعبیر پوچھتا ہے۔ حضرت یوسفؑ بتاتے ہیں کہ تم پر سات سال خوب بارشیں ہوں گی' خوب فصلیں ہوں گی اور درخت اپنا پھل دیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ ان سات سالوں میں جو فصل بھی تم کاٹو اُسے اس کی بالیوں (سٹوں) ہی میں رہنے دینا' سوائے اس قلیل مقدار کے جو تم خوراک کے طور پر کام میں لے آؤ۔ اس اناج کو گوداموں میں خوب جمع کر لو جو اگلے قحط کے سات سالوں میں تمہارے کام آئے گا۔ وہ جا کر یہ تعبیر عزیز مصر کے سامنے بیان کرتا ہے۔ خواب کی تعبیر سن کر وہ فوراً حکم جاری کرتا ہے کہ یوسف کو جیل سے نکال کر لاؤ' ہم ایسے انسان کو اپنا مصاحب بنانا چاہتے ہیں۔ شاہی کارندہ ان کی رہائی کا پروانہ لے کر یوسف کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ مطالبہ پیش کرتے ہیں کہ جس الزام کی بنا پر انہیں قید میں ڈالا گیا تھا اس کی تحقیق ہونی چاہیے' تب میں باہر آؤں گا۔ عزیز مصر نے جب تحقیق کی تو یوسف بے گناہ نکلے۔ عزیز مصر کی بیوی نے کھلے الفاظ میں اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا اور حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی اور راست بازی کی گواہی دی۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے کہا:

﴿ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾﴾

''اس سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز مصر یہ جان لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں اللہ ان کی چالوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔''

اس کے بعد یوسف کو عزیز مصر کے پاس پہنچایا گیا۔ اس نے ان کے ساتھ درپیش معاملات پر گفتگو کی تو ان کی صلاحیتیں اس کے سامنے کھل کر ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ اس نے انہیں اپنی حکومت کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز کرنے کی پیشکش کی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ مزید برآں قحط سالی کے مسائل کو حل کرنے کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔ اس پر فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾﴾ (یوسف)

''اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کر دی' وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ (سیکرٹیریٹ) بنائے۔ ہم اپنی رحمت سے جس کو

چاہتے ہیں نوازتے ہیں' اور ہم نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

عزیزِ مصر کی نگاہوں میں آپؑ کا اتنا بلند مقام کس طرح بنا۔ یہ کوئی فوری ہونے والا فیصلہ نہ تھا۔ اس کا کھلا آغاز تو اس وقت ہوا تھا جب پہلی بار یوسف کی پاک دامنی کا معاملہ اس کے سامنے آیا تھا جب اس کی بیوی نے ان پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ جب اشرافیہ کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے تو اعیانِ سلطنت بھی ان کے اعلیٰ کردار کے معترف ہو گئے تھے۔ اللہ نے برہان کی مدد سے برائی اور بے حیائی کے ارتکاب سے انہیں محفوظ کر لیا۔ اگر وہ (خدانخواستہ) اس برائی کا ارتکاب کر بیٹھتے تو ہرگز مالک کی نگاہوں میں امانت دار نہ ٹھہرتے' بلکہ بد دیانت اور خائن ثابت ہوتے۔ ظاہر ہے ایک بد دیانت اور خائن شخص پر کوئی بھی اعتماد نہیں کرتا اور وہ کسی بڑی ذمہ داری کا ہرگز اہل نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن یوسفؑ نے تو کئی سال تک کھلی برائی کی دعوت کا مقابلہ پاک دامنی اور نیک نفسی سے کیا تھا۔ یہ کردار عزیزِ مصر کے دل میں گھر کر گیا اور اپنے ملک کی عنانِ اقتدار یوسفؑ کے حوالے کرتے ہوئے اسے کچھ بھی تامل نہیں ہوا۔ ان کے سیرت و کردار کا سکّہ بقیہ اعیانِ اقتدار پر بھی اتنا بیٹھ چکا تھا کہ عزیزِ مصر کے اس فیصلہ کے خلاف کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھی' حالانکہ حضرت یوسفؑ کا پس منظر اس ملک میں غلامی کا تھا۔ ان کی پشت پر ان کی قوم اور قبیلہ کی طاقت بھی نہ تھی۔ یہ اللہ کی رحمت کا ظہور تھا اور ان کے کردار کی پختگی تھی کہ عنانِ اقتدار ان کے ہاتھوں میں دے کر وہ پُرسکون ہو گئے۔ عنانِ اقتدار اللہ کے بندوں کے ہاتھوں میں آجانا تاکہ وہ اس کے قانون کے مطابق نظامِ حیات چلا سکیں' یہ زمین والوں کے لیے اللہ کی رحمت کے ظہور کا نقطۂ عروج ہوتا ہے۔

خوش حالی کے سات سال میں ہونے والے وافر غلے اور اجناس کو حضرت یوسفؑ نے اس طرح محفوظ کر لیا کہ اگلے آنے والے قحط کے سالوں میں عوام کے لیے خوراک کی قلّت کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ قحط سالی کا شکار صرف مصر ہی نہیں بلکہ حضرت یوسف کا آبائی علاقہ بھی ہوا۔ مصر میں غلے کی فراوانی اور حسنِ انتظام کی خبریں خاندانِ یوسف تک بھی پہنچیں اور ان کے بھائی غلہ لینے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے قحط کے مارے بھائیوں سے ایسا حسنِ سلوک کیا کہ وہ بار بار آپ کے پاس آئے' یہاں تک کہ انہوں نے آپؑ کو پہچان لیا:

﴿قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَھٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰﴾

''وہ کہنے لگے: تو کیا آپ یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے' ہم پر اللہ نے بڑا احسان کیا ہے۔ یقیناً جو شخص تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

پھر حضرت یوسفؑ کے خواب کی تعبیر کے پورا ہونے کا وقت بھی آ گیا جب انہوں نے والدین اور بھائیوں کو مصر میں آباد ہونے کے لیے اپنے پاس بلا لیا۔ اور پھر وہی بھائی جنہوں نے اس تعلق کو توڑنے کی کوشش کی تھی جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا' وہ ان کے قدموں میں سجدہ ریز ہو کر اپنی زیادتیوں پر ان سے معافی کے خواستگار ہوئے۔

اس احسن القصص کے بابائے اعظم یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام (اسرائیل) کا بھی عظیم کردار سامنے آتا ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ مسلسل اپنے بیٹوں کو گوہرِ مقصود (یوسفؑ) کی تلاش کی نصیحت کرتے رہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا گوہرِ مقصود ان کو ملا دیا۔

اے نوجوانانِ اسلام!

اس احسن القصص کے کردار آج بھی زندہ ہیں۔ بنی اسرائیل (حضرت یعقوبؑ کے بیٹے' برادرانِ یوسفؑ) آج بھی اُمتِ محمدیہ سے حسد کی وجہ سے بغض و عداوت میں مبتلا ہیں۔ انہیں جب ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی تو بمطابق فرمانِ الٰہی:

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۰۹)

''بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔''

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ (النساء:۵۴)

''کیا جو اللہ نے لوگوں (اُمتِ محمدیہ) کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کا حسد کرتے ہیں۔''

﴿لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ﴾ (آل عمران:۱۱۸)

''وہ (اہل کتاب) تمہیں فتنے میں ڈالنے میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے۔ ہر اس بات کو چاہتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو چکی ہے' اور جو (کینے) ان کے سینوں میں ہیں کہیں زیادہ ہیں۔''

﴿وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ﴾

(آل عمران:۱۱۹)

''جب تم سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں' اور جب خلوت میں ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب سے انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔''

افغانستان میں قائم ہونے والی امارتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کے لیے کس طرح انہوں نے اتحاد قائم کیا اور بظاہر اس کو ختم کر دیا۔ الجزائر اور مصر میں (انہی کے نام نہاد) جمہوری نظام کے تحت اسلامی نظام کی کوششوں کو انہوں نے اپنے پٹھوؤں کے ذریعے تاخت وتاراج کر کے رکھ دیا۔ بنی اسرائیل کے کالے کرتوتوں سے متعلق قرآن پاک سے بڑھ کر آگاہی کون دے سکتا ہے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے والد اور اولاد کے اس تعلق کو توڑنے کی کوشش کی تھی جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے مل کر ایک سازش تیار کی تھی' آج اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) کے ان بیٹوں نے اُمّتِ مُسلمہ (جسے دوسری اُمتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر ..... أسند الغابه' عن ابن عباس ... مسطرح بن جندله کے عنوان میں) جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نوازا ہے' اس کے پاس کتاب ہدایت بھی ہے اور وسائل سے مالا مال وسیع وعریض ملک بھی ہیں' اسے خیر اُمّت' مقامِ اجتباء' اُمّتِ وَسط اور شہادت علی النّاس کے منصب پر فائز کیا ہے' اس کے اور اس کے مالک کے تعلقات کو منقطع کرنے' اس کو خائن اور بددیانت بنا کر اس کے مالک کی نگاہوں میں غیر معتبر اور غیر معتمد بنانے کے لیے' مل بیٹھ کر ''پروٹوکولز'' کے نام سے برائی کے نفاذ کا ایک ایجنڈا تیار کیا ہوا ہے۔ اس کے تحت معاشی بدکاری (سودی نظامِ معیشت) اور معاشرتی بدکاری (عورتوں اور مَردوں کی مادر پدر آزادی) کے جال ہیں۔ امت مسلمہ کے نوجوانوں کو پھانسنا برائی کے شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کی کوششیں ہیں جس کو اسرائیل کے ان بیٹوں نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ انٹرنیٹ' سمارٹ فونز' بند کمروں میں چھپ چھپ کر تنہائیوں میں اور کھلے عام تجارتی تشہیری مہموں اور آزادیٔ نسواں کے نام پر برائی اور بے حیائی کی دعوت کو عام کر دیا

ہے۔ ان کے پٹھو ہمارے حکمرانوں نے ملک میں ہر چیز مہنگی کر دی ہے' سوائے برائی اور بے حیائی پھیلانے والے ذرائع اور آلات کے۔ ان کی دستیابی سستی کر دی ہے' جبکہ برائی اور بے حیائی کے ارتکاب کا دوسرا نام خیانت اور بددیانتی ہے۔ جو خائن اور بددیانت ہوتا ہے اس پر کوئی عام انسان بھی اعتماد نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی نگاہوں میں کوئی مقام حاصل کر سکے۔ اس ساری سازش کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کے نوجوانوں کو ان برائیوں میں پھنسا کر ان کے مالک کی نگاہوں میں ان کی عزت ووقار کو خاک میں ملا دیں۔ بظاہر وہ اس مشن میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ان کی سازشوں کی وجہ سے مسلم نوجوانوں کی زندگی کے بہترین ماہ وسال یعنی جس میں تعلیم مکمل کی جاتی ہے یا کسی فن میں مہارت حاصل کی جاتی ہے' ان کا مقصد صرف اور صرف دو وقت کی روٹی کمانا ہی بن کے رہ چکا ہے۔ کوئی بڑا ہدف ان کی نگاہوں میں آنے نہیں دیا جا رہا۔ ایسے میں ہمارے نوجوانوں کو اقبال کا یہ پیغام یاد دلانے کی ضرورت ہے ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

اور ؎

اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ!
در بغل داری کتابِ زندۂ!

''اے وہ کہ جسے شبنم کی طرح زمین پر روندا جا رہا ہے' تمہارے پاس تو ایک زندہ (اور زندگی بخش) کتاب موجود ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (روشن دلیل) آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (کتاب) کو مضبوط پکڑے رہے ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل

کرے گا اور اپنی طرف پہنچنے کا رستہ دکھا دے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی برہان کو ذریعہ بنایا حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی اور بے حیائی سے بچانے کا اور اس کی وجہ سے عزیز مصر کی نگاہوں میں ان کا مقام بلند ہو گیا۔ دیانت اور امانت داری کی وجہ سے اس نے انہیں مصر کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا تھا۔ اے نوجوانانِ اسلام! وہ برہان تمہارے پاس بھی ہے۔ اس کے ذریعے ایک طرف بنی اسرائیل کا مقابلہ کر سکتے ہو اور دوسری طرف ان کی پھیلائی ہوئی برائی اور بے حیائی کی دعوت کو ٹھکرا کر مالک حقیقی کی نگاہوں میں اعتماد حاصل کر سکتے ہو' اور مالک حقیقی آج بھی اپنی دنیا کے سیاہ وسفید پر تمہیں اقتدار دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ پس اپنے کردار سے اپنی اہلیت کو ثابت کرنا ہوگا ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے نواز سکتا ہے۔ رحمت سے نوازنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنی دنیا کا اقتدار تمہارے ہاتھوں میں دے دے' تاکہ تم اس کے دیے ہوئے نظام یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم کر کے دنیا کو اس کی رحمۃ للعالمینی کی لذت سے آشنا کر دو۔ آج دنیا اس عدلِ اجتماعی کو ترس رہی ہے جس میں خالق اور مخلوق کا تعلق مضبوط اور لوگوں کی جان' مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے۔ آج دنیا قرضِ حسنہ (اسلامی نظامِ معیشت) کی لذت سے ناآشنا ہے۔ آج شرم وحیا (اسلام کا عائلی نظام اور ستر وحجاب کے احکام) کا قحط پڑ چکا ہے۔ اے نوجوانانِ اسلام! ان کمیوں کو پورا کرنے کا حسنِ انتظام تمہارے ذمے ہے۔ تم ان دولتوں کے امین ہو' ان کو تقسیم کرنے والے بھی بن جاؤ! کچھ بعید نہیں کہ جس طرح یوسف کے بھائی ایک دن ان کے قدموں میں سجدہ ریز ہو کر اپنے جرائم پر ان سے معافی کے خواستگار ہوئے تھے' یعقوبؑ کے ان بیٹوں کی اولاد کو انسانیت کے خلاف اپنے جرائم کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ تمہارے سامنے سر جھکا کر معافی کے خواستگار ہو جائیں۔

یاد کرو! علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو جب وہ ایک دبلے پتلے لڑکے تھے۔ ان کے قبول اسلام پر کفار نے قہقہے لگائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خیبر کا قلعہ انہی سے فتح کروایا۔ معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما کو دیکھو' وہ بھی لڑکے تھے' اس عمر میں انہوں نے امام الکافرین ابوجہل کو واصل جہنم کیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھو' اللہ تعالیٰ نے انہیں حسنِ انتظام کی صلاحیت سے نوازا تھا۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو وقت رخصت وہ سواری پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ پیدل چل کر انہیں نصیحتیں کر رہے تھے۔ یہ بات مکمل نہ ہوگی جب تک محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوسف مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ مصعبؓ مکہ مکرمہ کے حسین وجمیل اور دولت مند نوجوان تھے' ان کی والدہ انہیں نہایت عمدہ پوشاک پہناتیں اور وہ بہترین خوشبو استعمال کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی ان کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ میں نے مکہ میں مصعبؓ سے بڑھ کر کوئی اور شخص ناز ونعمت میں پلا ہوا اور زیب وزینت والا نہیں دیکھا۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مسجد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے' ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی جس پر چمڑے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گزشتہ حالت کا موجودہ حالت سے مقابلہ کیا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہو گے جو صبح کے وقت ایک جوڑا زیب تن کرتا تو شام کو دوسرا' اور اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جاتا' پھر دوسرا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انصار کے ان بارہ آدمیوں کے ساتھ جنہوں نے عقبہ اولیٰ کی رات آپؐ سے بیعت کی تھی' ان کی تعلیم اور قرآن پڑھانے کے لیے بھیجا تھا۔ مدینہ میں انہیں معلّم القرآن اور مُقری کہتے تھے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ اور سعد بن معاذؓ نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا' جو بہت بڑا اعزاز تھا۔'' (اسد الغابہ سے ماخوذ)

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں جنہیں بنو قریظہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ثالث مانا تھا۔ انہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر بنو قریظہ کی غداری کا فقید المثال فیصلہ کیا تھا اور یہ وہی فیصلہ تھا جو عرش پر رحمان کا فیصلہ تھا۔ اس کے مطابق چھ صد کے قریب جنگ کے قابل یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس سے یہودیوں کی جڑ کٹ کے رہ گئی اور یہودیت کا فتنہ صدیوں تک سر اٹھانے کے قابل نہ رہا۔

غزوۂ احد میں مصعبؓ شہید ہو گئے تو ان کا کُل ترکہ ایک چادر تھی جس سے اگر سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان کا سر چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔'' (اسد الغابہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصعبؓ کی لاش کے پاس آ کھڑے ہوئے' وہ منہ کے بل زمین پر

گرے پڑے تھے۔ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾﴾ (الاحزاب)

''مؤمنوں میں کتنے ایسے شخص ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور ان میں وہ بھی ہیں جو (نذر پوری کرنے کے لیے) حالت منتظرہ میں ہیں' انہوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا۔''

اور فرمایا: ''بلاشبہ اللہ کا رسول گواہ ہے کہ تم قیامت کے دن شہیدوں میں ہو گے''۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''لوگو آؤ ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام بھیجو۔ اللہ کی قسم' قیامت تک ان پر جو شخص بھی سلام بھیجے گا یہ اس کا جواب دیں گے۔'' (اسد الغابہ)

یہ شان اور مقام نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کا ہے۔ یہ ان کی عظمت کی شان ہے۔ رسول اللہ ﷺ' آپؐ کی آل اور اصحابؓ کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان کی پیروی کرو' کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾﴾ (الاعراف)

''پس وہ لوگ جو ان (رسول ﷺ) پر ایمان لائے' ان کی عزت و توقیر کی' ان کی مدد کی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا اس کی پیروی کی' وہی کامیابی پانے والے ہیں۔''

اگر تمہارے اعمال کے جہاز کو آپ ﷺ کے اتباع کا لنگر میسر نہیں ہے تو پھر تمہاری مثال اس طرح ہو سکتی ہے:

﴿فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾﴾ (الحج)

''گویا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔''

آپ ﷺ کے اتباع کے بغیر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی اولاد کے برپا کردہ کفر والحاد اور برائی اور بے حیائی کے طوفان تمہیں بہا کر کہیں سے کہیں لے جائیں گے۔

نوجوانانِ اسلام! دین کی دعوت کا کام تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تمہاری دعوت محنت اور خلوص سے ہو گی تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعوت کے نتیجے میں ایسی شخصیات کو اسلام میں داخل ہونے کی توفیق دے گا کہ ان کو منصف بنایا جائے۔ تو اسرائیل کے وہ بیٹے جن کے ہاتھوں فساد فی الارض برپا ہے' ان کو ایسی سزا سنائیں کہ قیامت تک وہ سر نہ اٹھا سکیں۔

اس جدوجہد میں بابائے عصر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کو نہ بھولو! وہ نبی اور رسول نہیں تھے۔ وہ زندگی کے آخری ایام میں بھرے مجمع میں اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے گڑگڑا کر روئے تھے۔ انہوں نے احکامِ خداوندی کے اسرار سے اخذ کر کے خلافت کی نوید امت کے سامنے پیش کی۔ فرامینِ رسالت ﷺ کی روشنی میں آنے والے دور میں غلبۂ اسلام کی امید کی شمع جلائے رکھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے سننے والوں کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے کہا تھا:

﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾﴾ (یوسف)

''اے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' بے شک اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ہی ناامید ہوا کرتے ہیں۔''

اسی طرح ڈاکٹر صاحبؒ نے ہمیشہ یہ نصیحت کی کہ گو ہر مقصود (متاعِ گم گشتہ نظامِ خلافت) کو پانے کی جدوجہد جاری رکھو۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر کفر کی طاقت کو توڑ کر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی راہ کھول دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!! ❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 60 روپے اشاعت عام: 30 روپے

''اولیاءُ اللہ'' کون لوگ ہیں؟

پروفیسر عبداللہ شاہین ☆

''ولایت'' کے لغوی معنی حکومت' کفالت اور قرب کے ہیں' لیکن اصطلاح میں اس سے مراد اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں تقرّب کا ایک درجہ ہے۔ اسی طرح ''ولی'' کے لفظی معنی دوست' صاحب' کارساز اور مددگار کے ہیں' لیکن اصطلاح میں اس سے مراد مقرّبِ الٰہی بندہ ہے اور بقولہٖ تعالیٰ قربِ الٰہی کے لیے ''ایمان'' اور ''تقویٰ'' بنیادی لوازم ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ط﴾ (یونس)

''اچھی طرح جان لو کہ یقیناً اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔''

چنانچہ جو صاحبِ ایمان اور پرہیزگار ہے' وہ اللہ کا ''ولی'' ہے۔ اور اہوالِ آخرت سے جب انہیں سابقہ اور پالا پڑے گا تو ان کو کوئی خوف دامن گیر نہ ہوگا اور نہ دنیا میں انہیں کوئی حزن وغم گھیرے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اولیاءُ اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ذکر وفکرِ باری تعالیٰ میں دیکھے جاتے ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ امت کے افراد کو یہ درجۂ ولایت ذکر اللہ کی کثرت سے حاصل ہوسکتا ہے' بشرطیکہ یہ ذکر مسنون طریقہ پر ہو۔ مگر ہمارے ملک کے اکثر لوگ ''اولیاءُ اللہ'' کی نہ جانے کیا کیا تعریفات (definitions) بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور ہر مخبوط الحواس' فاتر العقل اور ننگ دھڑنگ آدمی کو ''اللہ کا ولی'' گردانتے ہیں' اسے تکوینی اختیارات کا مالک سمجھتے

☆ ریٹائرڈ پرنسپل' گورنمنٹ کالج حافظ آباد

اور اس سے حاجت برآری کرنے لگتے ہیں' جبکہ اس نے کسی کی کوئی حاجت کیا پوری کرنی ہے وہ تو اپنا ستر (ننگا پن) بھی ڈھانپ نہیں سکتا۔ بقول مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ: ؎

جو خود محتاج ہووے دوسروں کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا!
(تفسیر حقانی)

صاحبِ تفسیر ''ضیاء القرآن'' پیر کرم شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ولی اس کو کہتے ہیں' جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب وروز وہ تسبیح وتہلیل (''سبحان اللہ'' اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے) میں مصروف ہو (یعنی حمد وثناءِ ربّ العالمین کرنے والا ہو)۔ اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔'' (ضیاء القرآن' جلد دوم' ص ۳۱۳)

پیش نظر رہے کہ ''نبوت اور رسالت'' ایک وہبی منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کے انتخاب سے ملتا ہے اور اس کا اعلان کیا جاتا ہے' لیکن ''ولایت'' ایک غیر اعلانیہ مقام ومرتبہ ہے۔ کوئی شخص ''ولی اللہ'' ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ تاہم افرادِ اُمّتِ مُسلمہ کو یہ درجہ ولایت' اللہ ربّ العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل اطاعت سے حاصل ہوسکتا ہے' کیونکہ یہ منصب ''کسبی'' ہے۔ البتہ جو لوگ متّبعِ سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں ہیں' وہ درجۂ ولایت سے محروم ہیں' چاہے کیسے ہی کرشمے ان سے صادر ہوں (کیونکہ وہ محض نظر بندی اور استدراج ہے' کوئی کشف و کرامت نہیں)۔ چہ بوالعجبی است کہ ہر ننگے شاہ اور سائیں بابا کو ''ولی اللہ'' سمجھا جاتا ہے۔

اولیاء اللہ کی صفات

اب آیئے! ذرا ملاحظہ کریں کہ ''اولیاء اللہ'' جن کو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ کی خوشخبری سنائی ہے' ان کی صفات کیا ہیں!

احکامِ الٰہی کا کامل اِتباع: اوّلین یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور انسانیت کے جدِّامجد آدم علیہ السلام کو اپنے خصوصی نمائندہ اور خلیفہ کی حیثیت سے روئے زمین پر اتارا تو فرمایا:

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ)

''جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت نامہ (بصورت وحی) آئے تو جو میری ہدایات (directives) پر عمل کرلیں گے انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اب اولادِ آدم علیہ السلام روئے ارضی پر پھیلنے لگی تو اللہ ربّ العزت نے ازل سے ابد تک کے انسانوں کو مجملاً ایک قاعدہ کلیہ (formula) بتادیا کہ:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۳﴾﴾ (الاحقاف)

''بلاشبہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ (جلّ جلالہ) ہمارا ربّ ہے' پھر وہ اس پر (مرتے دم تک) ڈٹ گئے تو نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

چنانچہ (نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے) اپنے اپنے دور میں (بلاتحریف) آسمانی وحی پر ایمان لانے اور عمل کرنے والے افراد' جیسے تورات پر یقین وعمل والے یہود اور انجیل پر عمل پیرا نصاریٰ' نیز جن تک وحی الٰہی نہ پہنچ سکی مگر وہ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ فطرتِ توحید پر عمل پیرا رہتے ہوئے' نہ بتوں وغیرہ کی پوجا کی' نہ شرکیہ کاموں میں ملوث ہوئے اور نہ فسق وفجور کی پلیدی سے دامن گیر ہوئے' جیسے ''صابی'' حضرات تو اللہ جل جلالہ نے انہیں نجات کا پروانہ عطا فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۶۹﴾﴾ (المائدۃ)

''یقیناً جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت (اللہ کے سامنے حاضری) پر ایمان لائیں گے اور عمل نیک کریں گے' خواہ وہ مسلم ہوں یا یہودی یا صابی یا عیسائی تو ان کو (قیامت کے دن) نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''

بارِدگر فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـُٔیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۶۲﴾﴾ (البقرۃ)

''بے شک جو لوگ مسلم ہوئے یا یہودی یا عیسائی یا صابی (ان میں سے) جو اللہ اور روزِ

قیامت پر ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ ان کے رب کے ہاں سے ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''

قارئین کرام! اب ہم پھر اسی ''آیت ولایت'' کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ''ولیوں'' (دوستوں) کو ﴿لَہُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ﴾ ''ان کے لیے اس دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی'' کہہ کر یہ خوشخبری سنائی ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد ممنوعہ چیزوں اور کاموں سے پرہیز کرتے رہے' وہ ''ولی اللہ'' ہیں۔

درجہ احسان: اگلی صفت جو اللہ تعالیٰ نے ''ولی اللہ'' کی بتائی ہے وہ اس کا ''محسنین'' میں سے ہونا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿بَلٰی ۟ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَہُوَ مُحۡسِنٌ فَلَہٗۤ اَجۡرُہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ۪ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۱۲﴾﴾ (البقرۃ)

''سنو! جس نے اللہ (کے احکامات) کے سامنے سرِتسلیم خم کردیا اور وہ (درجۂ اطاعت میں) محسن بھی ہوا' پس اس کا صلہ اس کے رب کے پاس ہے' اور ایسے لوگوں کو نہ تو (مستقبل کا) خوف ہوگا اور نہ (ماضی کا) پچھتاوا ہوگا۔''

رہا سوال ''محسنین'' کا تو اس کی وضاحت ''حدیثِ جبریل'' میں ملتی ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باادب دوزانو ہوکر آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا: یَا مُحَمَّدُ! اَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِسۡلَامِ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے بتایئے اسلام کیا ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارکانِ اسلام یعنی کلمہ شہادت' توحید' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کا بیان کیا۔ ☆ پھر عرض کیا: فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِیۡمَانِ! ''مجھے بتایئے ایمان کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ جل جلالہ' اس کے فرشتوں' اس کی نازل کردہ کتابوں' اس کے رسولوں' روزِ قیامت اور تقدیر کے نفع ونقصان پر یقین کامل کو بیان کیا —— اب عرض کیا:

☆ ارکانِ اسلام کی ادائیگی کی یہی شرط اللہ تعالیٰ نے تمہیداً ''اولیاء اللہ'' کے لیے رکھی ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۲۷۷﴾﴾ (البقرۃ)

فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ! ''مجھے بتایئے! احسان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ)) یعنی تو اللہ کی جملہ عبادات کے مراسم اس کیفیت کے ساتھ ادا کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے (وگرنہ کم ازکم یہ کیفیت تو ضرور ہو کہ) اگر تو اس کو نہیں دیکھتا' پس وہ تو تجھے یقیناً دیکھ رہا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ: احسان کی اس کیفیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''انفاق فی سبیل اللہ'' کو ''اولیاء اللہ'' کی مزید صفت بیان کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''وہ لوگ جو اپنے مال کو (اللہ کی راہ میں) شب و روز خرچ کرتے ہیں خفیہ طور پر اور ظاہر کر کے بھی' پس ان کا صلہ ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں (نہ قیامت میں سزا کا) خوف ہے اور نہ ہی (دنیاوی زندگی میں) وہ غمگین ہوتے ہیں۔''

یعنی زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات بھی دل کھول کر دیتے ہیں' خواہ دن ہو یا رات ہو۔ اور اس انداز میں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو' یا بمفہوم حدیثِ رسول ﷺ دایاں ہاتھ خرچ کرے تو بائیں ہاتھ کو پتا تک نہ ہو' اور کبھی لوگوں کو دکھا کر اور ببانگِ دہل اعلان کر کے بھی خرچ کرتے ہیں تاکہ دوسروں کو اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنے کی دعوت و ترغیب ہو۔

پیشِ نظر رہے کہ بعض لوگوں کی یہ بری عادت ہوتی ہے کہ وہ کسی پر اپنا مال خرچ کرنے کے بعد وقتاً فوقتاً اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا شروع کر دیتے ہیں یا کم از کم جا بجا جتلاتے رہتے ہیں کہ میں نے فلاں وقت تم پر اپنا مال خرچ کیا تھا۔ اس طرح اس کو ذہنی اذیت پہنچاتے ہیں۔

''اولیاء اللہ'' فضائل اخلاق سے مزین اور رذائل سے مجتنب و مبرا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی توصیف فرماتے ہوئے ارشادِ ربّ العزت ہوا:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''وہ لوگ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر احسان نہیں جتاتے' نہ (ذہنی) تکلیف دیتے ہیں' ان کا صلہ ان کے رب کے پاس ہے' اور ان کے لیے کسی رنج اور

خوف کا اندیشہ نہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی ۗ﴾ (البقرۃ:۲۶۳)

''جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے افراد کو) ایذا دی جائے' اس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (سوالی کی سخت سست بات سے) درگزر کرنا بہتر ہے۔''

پھر خبردار کیا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ۙ کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا ۭ﴾ (البقرۃ:۲۶۴)

''مؤمنو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان رکھنے اور ایذا دینے سے' اس شخص کی طرح برباد نہ کر لینا جو لوگوں کو دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اس (کے مال) کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر ڈالے۔''

پھر چند مثالوں سے ''انفاق فی سبیل اللہ'' کو مزید واضح کیا:

﴿وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍۢ بِرَبْوَۃٍ اَصَابَھَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُکُلَھَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۶۵)

''اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے' خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو (جب) اس پر مینہ برسے تو دگنا پھل لائے' اور اگر مینہ نہ بھی برسے تو پھوار ہی سہی۔''

اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کا تفصیلی ذکر قرآن مجید میں کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

☆ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۶۷)

''مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور زمین میں سے تمہارے لیے ہماری نکالی

ہوئی چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان میں سے ردّی اور ناپاک چیزیں دینے کا ارادہ نہ کرنا کہ (اگر وہ تمھیں دی جائیں تو) انہیں تم خود لینے والے نہیں ہو سوائے اس کے کہ (لیتے وقت تم) آنکھیں بند کرلو۔''

☆ ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۷۲)

''اور (مؤمنو!) تم جو مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھی کو ہے۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرو گے۔''

قتال و جہاد فی سبیل اللہ: زمرۂ ''لَا يَحْزَنُوْنَ'' میں شامل ''اَوْلِيَاۗءُ اللّٰهِ'' کی ایک اور علامت اور خصوصیت ''قتال و جہاد فی سبیل اللہ'' بیان کی گئی ہے' جو اسلام میں چوٹی کا عمل ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹ ... اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰﴾

''اور جو افراد اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں' انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو' وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں' اپنے رب کے ہاں سے رزق پا رہے ہیں..... خوب جان لو! کہ نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ افسردہ ہوں گے۔''

ظاہر ہوا کہ نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اتنا بڑا عمل مقبول ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کے اندر حیاتِ جاوداں عطا فرما دی اور طرح طرح کے پھلوں سے ان کی روزیوں کا بندوبست کیا۔ نیز ان کے لیے ایسے ایسے اعزازات رکھے ہیں کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ ان کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

(۱) ..... جنت میں سو درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔'' (بخاری)

(۲) اللہ کی راہ (جہاد) میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا' دنیا اور جتنی اشیاء دنیا میں موجود ہیں (یعنی ساری کائنات) ان سے بہتر ہے۔'' (بخاری و مسلم)

(۳) ''کسی بندے کے قدم جو راہِ جہاد میں گرد آلود ہوں' (جہنم کی) آگ ان کو نہیں چھوئے گی۔'' (بخاری)

(۴) ''اللہ کی راہ میں جو شخص زخمی کیا جاتا ہے' وہ قیامت کے دن اس حالت میں (میدانِ حشر میں) آئے گا کہ اُس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا۔ اس کا رنگ تو خون کا ہوگا مگر اس (خون) کی خوشبو مشک کی ہوگی۔ (بخاری و مسلم) ایک روایت میں ہے کہ خون کا رنگ زعفران ہوگا۔

(۵) ''..... ایک دن اور ایک رات اللہ کی راہ (جہاد) میں پہرہ داری کرنا' مہینہ بھر کے روزوں اور نمازوں سے بہتر ہے۔ اگر مر جائے تو اس کا ثواب (تا قیامت) جاری رہتا ہے' اس کا (جنتی) رزق جاری کر دیا جاتا ہے اور (قبر میں) منکر نکیر (فرشتوں) کے (سوال و جواب کے) خوف سے امن میں رہتا ہے۔'' (مسلم)

(۶) ''..... ایک شخص کا اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں قائم رہنا' اپنے گھر میں ستر سال تک نماز پڑھنے سے افضل ہے۔'' (ترمذی)

(۷) ''جس نے اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں خرچ پات بھیج دیا اور خود گھر میں بیٹھا رہ گیا' اس کے لیے ہر درہم کے بدلے میں سات سو درہم ہیں۔ مگر جس نے بذاتِ خود اللہ کی راہ میں جہاد (وقتال) کیا اور اس میں خرچ بھی کیا تو اس کو ہر درہم کے بدلہ میں سات لاکھ درہم ملیں گے''۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿... وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾ (ابن ماجہ)

(۸) ''جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ نہ تو اس نے (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال گزرا تو وہ نفاق کی ایک قسم پر مرتا ہے —— جبکہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے شہادت مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے مراتب پر پہنچا دے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔'' (مسلم)

بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا مفہوم

اب آتے ہیں سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیات ۱۶۹ اور ۱۷۰ کی طرف جس کی تفسیر و تشریح حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا' کیونکہ آپؐ صاحبِ وحی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات کا شانِ نزول اور صحیح مطلب و مفہوم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن شہید ہونے والے

ساتھیوں کے بارے میں اپنے صحابہؓ سے فرمایا:

((لِمَّا اُصِیْبَ اِخْوَانُکُمْ بِاُحُدٍ جَعَلَ اللّٰہُ اَرْوَاحَھُمْ فِیْ جَوْفِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْھَارَ الْجَنَّۃِ تَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِھَا، وَتَأْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مِنْ ذَھَبٍ مُعَلَّقَۃٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوْا طِیْبَ مَأْکَلِھِمْ وَمَشْرَبِھِمْ وَمَقِیْلِھِمْ قَالُوْا: مَنْ یُبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا اَحْیَاءٌ فِی الْجَنَّۃِ نُرْزَقُ، لِئَلَّا یَزْھَدُوْا فِی الْجِھَادِ وَلَا یَنْکُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ، فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَنَا اُبَلِّغُھُمْ عَنْکُمْ، فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ... اِلٰی آخِرِ الْآیَۃِ﴾))

(ابوداؤد)

’’جب تمہارے بھائیوں کو احد میں شہادت نصیب ہوگئی تو اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں‘ وہ جنت کی نہروں پر وارد ہوتے ہیں‘ اور اُس (جنت) کے پھل کھاتے ہیں‘ اور سونے کی قندیلوں میں رہتے بستے ہیں‘ جو عرش (ربانی) کے تلے لٹکی ہوئی ہیں۔ جب انہوں نے عمدہ کھانے‘ پینے اور سونے کی جگہ پالی تو کہنے لگے: کون ہے جو ہمارے متعلق ہمارے (دنیاوی) بھائیوں کو خبر پہنچائے کہ ہم جنت میں (روحانی طور پر) زندہ ہیں اور ہم رزق دیے جاتے ہیں‘ تاکہ وہ ہمارے (دنیادار) بھائی جہاد سے بے رغبتی نہ کریں اور لڑائی (قتال) کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان کو اس بات کی خبر پہنچاؤں گا‘ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ’’اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں‘ انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں......‘‘

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے جید صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ﴾ کے مفہوم کی تصریح فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ’’ان (یعنی شہیدوں) کی روحیں سبز پرندوں کے اجساد میں (ڈال دی گئی) ہیں۔ عرش (الٰہی) کے نیچے ان کے لیے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں۔ جہاں سے چاہتے ہیں‘ جنت کے میوے کھاتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں (کے گھروں) کی طرف ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔‘‘ (مسلم)

مگر ہمارے ہاں ان آیات کی نہ جانے کیا کیا تاویلیں کی گئی ہیں اور نہ جانے کیسے کیسے عقائد گھڑ لیے گئے ہیں کہ شہداء ہماری فریادیں سنتے ہیں اور مرادیں پوری کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح مسلم میں مروی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں ((اَرْوَاحُھُمْ فِیْ جَوْفِ

طَیْرٍ خُضْرٍ)) ’’ان کی روحیں سبز پرندوں کے اجساد میں ہیں‘‘ کے بعد مزید یہ الفاظ ہیں کہ ((... ھَلْ تَشْتَھُوْنَ شَیْئًا؟)) ’’(ان شہیدوں کا رب انہیں جنتی رزق عطا فرمانے کے بعد پوچھتا ہے) کیا تمہیں کسی اور چیز کی بھی چاہت ہے؟‘‘ تو شہداء عرض کرتے ہیں: ((...یَارَبِّ نُرِیْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِیْ اَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِکَ مَرَّۃً اُخْرٰی)) ’’اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں‘‘۔ پس ثابت ہوا کہ شہداء کی قبروں میں صرف ان کے بے جان جسم مدفون ہیں جبکہ ان کی ارواح جنت میں ہیں۔ لہٰذا ایسے من گھڑت عقائد شریعت اسلامیہ کے خلاف اور توحید باری تعالیٰ کے منافی ہیں اور انہی کی عکاسی کرتے ہوئے حالی نے ’’مسدس‘‘ میں کہا ہے:

نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبیؐ سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے — نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

غرضیکہ یہ تو ہیں دنیا میں اللہ کے دوستوں کے لیے خوشخبریاں‘ جن میں صیغہ غائب میں خطاب کیا گیا ہے‘ لیکن اس کا ذروۃ السنام (climax) یعنی بلند ترین مقام وہ ہوگا جب اللہ‘ نور السماوات والارض‘ ذوالجلال والاکرام‘ صیغہ حاضر متکلم میں‘ بالمشافہ یوں خطاب فرمائے گا:

﴿یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ (الزخرف)

’’میرے (دوست دار) بندو! آج (روزِ محشر) نہ تمہیں (دنیاوی زندگی ضائع ہونے کا) پچھتاوا ہے اور نہ مستقبل (میں جنت سے نکالے جانے) کا ڈر ہے۔‘‘

یہ وہ خوشی کا دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ‘ ذوالجمال اور حسن المآب‘ اپنے پسندیدہ بندوں سے بے حجاب خطاب فرمائے گا تو جنتیوں کے لیے اللہ کی دید‘ ان کی ’’عید‘‘ ہوگی‘ کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہوں گی‘ اور سب سے اعلیٰ اور لذیذ ترین نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور ہم کلامی ہوگی۔

اولیاء اللہ تکوینی اختیارات کے مالک نہیں!

قصہ مختصر ’’اولیاء اللہ‘‘ وہ صالحین امت ہیں‘ جو حتی المقدور اللہ اور رسول ﷺ کی کامل

اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ ہمارے ہاں ''اولیاء اللہ'' کوئی ایسے حضرات ہیں جو فوق البشر قوتوں کے مالک ہیں۔ وہ دنیا کے مختلف حصوں اور شعبوں کا نظام چلا رہے ہیں اور انہیں تملیک مجازی کے طور پر تکوینی اختیارات حاصل ہیں' جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ہر قسم کے تکوینی اختیارات فقط اللہ جلّ جلالہ کو ہی حاصل ہیں جو اُس نے کسی کو تفویض نہیں کیے۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہ کی ذاتِ احد ہی ''مدبّرِ کائنات'' ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورۃ السجدۃ میں واضح ارشاد ہے:

﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ...﴾ (آیت ۵)

''وہی (اللہ ہی تو ہے جو) آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾﴾ (الانعام)

''اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کے سوا کوئی مشکل کشائی کرنے والا نہیں' اور اگر تمہیں نفع و بھلائی پہنچانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور ''اولیاء اللہ'' کا تو کیا مذکور! خود سردارِ کائنات' سیّدِ وُلدِ آدم ﷺ کی زبانِ حق بیان سے کہلوایا گیا:

﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾﴾ (الجن)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دو کہ میں تمہارے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔''

چنانچہ امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے (اعلانیہ) کہہ دیا کہ میں تم جیسا انسان ہوں' تمہارے نفع و نقصان کا مالک میں نہیں ہوں' میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں..... سب چیزیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔''

اسی طرح احادیث کی مشہور صحیح کتابوں بخاری و مسلم میں ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے اپنی حقیقی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

((یَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا أُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا))

''اے صفیہ! اللہ کے رسولؐ کی پھوپھی' میں اللہ کے ہاں تمہیں بچا نہیں سکتا۔''

((وَیَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَا أُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا))

''اور اے فاطمہؓ! محمد (ﷺ) کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہو لے لو' مگر میں اللہ کے ہاں تمہارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

اور افرادِ امت کے بارے میں مالک و مختار ہونا تو کجا' خود پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے بارے میں آپ ﷺ کی زبانِ ترجمانِ وحی سے کہلوایا گیا:

﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

''(اے نبی ﷺ!) اعلان کر دو کہ میں تو خود اپنے فائدے اور نقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔''

کرامات فضلِ الٰہی ہیں!

شاید اولیاء اللہ کے تکوینی اختیارات کا مغالطہ ان کرامات کے باعث ہوا جو مختلف بزرگوں سے منسوب کی گئی ہیں' حالانکہ جس طرح ''معجزہ'' انبیاء علیہم السلام کے اپنے بس کی بات نہیں ہے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور چاہت سے ظاہر ہوتا ہے' اسی طرح ''کرامات'' اولیاءِ کرام کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے غائبانہ فرمان:

﴿قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾﴾ (الانبیاء)

''ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم پر سلامتی والی بن جا۔''

کے باعث یہ خرقِ عادت واقعہ رونما ہوا کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کا بال تک نہیں جلایا اور وہ صحیح سلامت آگ کے الاؤ سے باہر نکل آئے۔

دراصل کرامت مقرّب' بندگانِ الٰہی کے قبضۂ قدرت کی بات نہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں کشف و کرامات کا اظہار کر دیں' بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنے کسی طبعی قانون کے برعکس کسی عجوبہ کا اظہار اپنے محبوب بندے کے حق میں کرا دیتا ہے (کیونکہ ''کرامت'' کا لفظی معنی بھی فضیلت' شرف اور تکریم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوست دار بندے کی عزت

افزائی اور بزرگی کے لیے ظاہر کرتا ہے) مثلاً ''اصحابِ کہف'' جو توحید باری تعالیٰ میں بہت پختہ اور ثابت قدم تھے' یقیناً اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام میں مقدم تھے۔ جب وہ غار میں جا کر سو گئے تو جوانمرد تھے اور تین سو نو (۳۰۹) سال کے بعد بیدار ہوئے تو بھی ''نوجوان'' ہی تھے۔ اس قدر طویل مدت گزر جانے کے باوجود' ان پر بڑھاپے کے کوئی آثار نہ تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ کرامت ظاہر کی کہ بوڑھے پن نے ان کو چھوا تک نہیں۔

اسی طرح جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباری جن و انس سے فرمایا کہ ملکہ سبا (بلقیس) جو طاعت گزار ہو کر حاضر خدمت ہونے والی ہے اس کی آمد سے پہلے' کوئی ہے جو اس کے تخت کو لا حاضر کرے؟ تو ایک طاقتور قوی ہیکل جن بولا: میں آپؑ کے دربار برخاست کرنے سے قبل اس کے تخت کو یہاں پہنچا دیتا ہوں۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تخت اس سے بھی جلدی میرے پاس پہنچ جائے۔ آپؑ کے اس تقاضے کو سن کر آپؑ کے ایک مؤمن ساتھی (آصف بن برخیا) نے کہا: آپؑ اپنی نگاہ دوڑائیے۔ ابھی آپؑ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لے آؤں گا۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اسی لمحہ حضرت آصف بن برخیا نے جناب باری تعالیٰ میں (زیر لب) عرض کیا: یاذا الجلال والاکرام! یاالٰھنا والٰہ کل شیء، الٰھا واحدا، لا الٰہ الا انت، ائتینی بعرشھا۔ اسی وقت تخت بلقیس سامنے آ گیا۔ جب سلیمانؑ نے تخت کو اپنے سامنے موجود دیکھ لیا تو یہ نہیں کہا کہ واہ! واہ! تم تو بڑی طاقتوں اور اختیارات کے مالک بن گئے ہو' بلکہ فوراً عجز و انکسار سے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾ (النمل: ۴۰) یعنی اس ''ولی اللہ'' کی کرامت کی تعریف کرنے کی بجائے فوراً رب تعالیٰ کے فضل کا ذکر و شکر کیا۔ کیونکہ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرے۔''

ایسی ہی ایک مثال تیسویں پارے کی سورۃ البروج کی تفسیر میں ملتی ہے' جس میں مذکور ہے کہ بادشاہِ وقت کے حکم کے باوجود عبداللہ نامی ایک لڑکا جادوگر سے جادو سیکھنے کی بجائے ایک راہب سے توحید باری تعالیٰ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ چنانچہ گھر سے تو وہ جادوگر کے پاس حاضر ہونے جاتا' لیکن راستے میں ایک راہب (درویش) کا گھر پڑتا تھا جو کبھی عبادتِ رب اور کبھی وعظ میں مشغول نظر آتا۔ لڑکا درویش کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ کو سنتا۔ چنانچہ وہ

اس قدر متاثر ہوا کہ درویش کی شاگردی اختیار کر لی جو اسے توحید کی تعلیم دینے لگا۔ ایک دن لڑکا درویش کے ہاں جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے دیکھا ایک ہیبت ناک سانپ لوگوں کا راستہ روکے بیٹھا ہے۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ دعا کر کے پھینکا کہ ''یا اللہ! اگر درویش کا دین سچا اور پسندیدہ ہے تو یہ جانور ہلاک ہو جائے''۔ پتھر سانپ کو لگا اور وہ مر گیا۔ یہ دیکھتے ہی لوگوں میں اس (نوجوان ولی اللہ) کی شہرت پھیل گئی۔ حاجت مندوں کا تانتا بندھ گیا اور اُس کی دعا سے اندھے' کوڑھی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کے ایک نابینا وزیر تک یہ بات پہنچی تو وہ تحفے لے کر حاضر خدمت ہوا اور کہا: اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب مال تجھے دے دوں گا۔ لڑکے نے کہا: شفا میرے ہاتھ میں نہیں' شفا تو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ دیتا ہے۔ اگر تم ایک اللہ کو ہی اپنا معبود ماننے کا وعدہ کرو تو میں دعا کروں۔ وزیر نے اقرار کیا۔ لڑکے نے دعا کی تو اللہ نے شفا دے دی۔ وہ دربار میں واپس آیا تو آنکھیں روشن تھیں۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس نوجوان ولی اللہ نے صاف اعلان کر دیا کہ یہ کرامت محض اللہ کی قدرت سے عطا ہوئی ہے۔ میں کسی کو شفا دینے کا خدائی اختیار نہیں رکھتا۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ قرآن مجید کے اس واضح اعلان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بھر کی تعلیمات کے باوجود یہ امت اس معاملہ میں بھٹکنے لگی اور جملہ ربانی اختیارات مخلوقات میں بانٹ دیے۔ آج ایسے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے' جو مصیبت کے وقت بجائے اللہ وحدہ لاشریک لہ کو پکارنے کے' مختلف ناموں کی دہائی دیتے' غیر اللہ کے نعرے لگاتے اور ان ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ کہیں ''یا علی مدد!'' پکارا جاتا ہے تو کہیں ''یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ!''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح العقیدہ بنائے اور اپنے دوستوں (اولیاء) میں شامل فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

انفاق فی سبیل اللہ اور بخل

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے۔ وہ اپنی مخلوق کا روزی رساں ہے اور جانوروں کو ان کی ضرورت کے مطابق روزی دیتا ہے۔ اس کا روزی دینے کا انداز بھی حکیمانہ ہے۔ چرنے چگنے والے جانوروں کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق روزی میسر ہے' درندوں کے لیے گوشت کا انتظام ہے۔ وہ جنگل' بیابان' پہاڑ اور سمندر میں رہنے والے جانوروں میں سے ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق خوراک دے رہا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:۶)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہیں۔''

پرندوں کی مثال لیجیے' صبح خالی پیٹ روزی کی تلاش میں نکلتے ہیں' شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

انسان باشعور مخلوق ہے' اس کو بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ ہر انسان محنت اور کوشش کرنے کا مکلف ہے' تاہم اس کی روزی بھی مقدر ہے۔ وہ کام کاج اور محنت کرتا ہے مگر مقدر سے زیادہ نہیں کما سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ نظام ہے کہ وہ کسی کو وافر دولت دے رہا ہے اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو مالی کمزوری کا شکار ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾﴾ (العنکبوت)

''اللہ ہی اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

اُس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے' وہ جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے۔ ہر انسان کمانے اور خرچ کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہے۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ تھوڑی

روزی دیتا ہے وہ بھی امتحان میں ہے کہ وہ شکر گزار بندہ بنتا ہے یا اپنی تنگ دستی کا شکوہ کرتا رہتا ہے' حالانکہ دولت مند کا حساب سخت ہوگا اور دنیا میں عسرت کی زندگی گزارنے والے کا حساب آسان ہوگا۔ بعض لوگوں کو تو روزی بے انداز ملتی ہے۔ دنیا میں تو وہ عیش کی زندگی گزار لیتے ہیں' مگر جواب دہی کے وقت خسارے میں رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے کے قدم نہ ہلنے پائیں گے جب تک کہ اُس سے پانچ سوالوں کے جواب نہ پوچھ لیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک سوال یہ ہوگا کہ روزی کس طرح کمائی تھی اور کیسے خرچ کی تھی؟ یہ بڑا مشکل مرحلہ ہوگا۔ کیونکہ مال دار شخص تو اکثر دولت کمانے میں ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر دولت خرچ کرتا ہے تو اسراف اور تبذیر سے کام لیتا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ دولت کو عطیہ باری تعالیٰ سمجھ کر اللہ ربّ العزت کے احکام کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ کہہ دو جو بھی ضرورت سے زیادہ ہو!''

یعنی ہر شخص اپنی زندگی میں پیش آنے والی ناگزیر ضروریات پر تو مال خرچ کرے مگر فضولیات اور عیش و عشرت ہی کو مقصدِ حیات نہ سمجھ لے۔ جن لوگوں کو وافر دولت ملتی ہے ان کی دولت میں ناداروں' مسکینوں' یتیموں اور دیگر ضرورت مندوں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ کوئی دولت مند یہ نہ سمجھ لے کہ میں اپنی دولت کا مالک ہوں' جہاں چاہوں خرچ کروں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾﴾ (الذّٰریٰت)

''اور ان کے مالوں میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہے۔''

دیگر مقامات پر بھی اس بات کو واضح کیا گیا ہے۔ فوز و فلاح پانے والے لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ لوگ ضرورت مندوں پر بھی اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ سورۃ المعارج میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾﴾

''اور وہ جن کے مالوں میں معیّن حق ہے' مانگنے والے اور محروم کا۔''

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ توحید و رسالت کا اقرار، نماز پنج گانہ، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ ان پانچوں باتوں پر عمل کرنا فرض ہے۔ ان میں زکوٰۃ بھی شامل ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مرتبہ جہاں نماز قائم کرنے کا حکم ہے وہاں ساتھ ہی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾۔ صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ مستحقین میں تقسیم کرے جس جمع شدہ مال پر ایک سال گزر جائے۔ چنانچہ زکوٰۃ ادا کرنا تو ضروری ہے اور مال دار کے لیے یہ بالکل آسان ہے۔ اگر اسلامی معاشرے میں یہ آسان کام سب صاحبِ ثروت لوگ کرلیں تو غربت ختم ہوسکتی ہے اور کسی مسلمان کو بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم پسندیدہ یہ ہے کہ مؤمن اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ کو خوش کرنے والے کاموں میں خرچ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّكٰوةِ))(رواه الترمذی وابن ماجه) ''یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (مساکین کا) حق ہے۔''

دنیا کی مصروفیات اور عیاشیوں میں گم ہوکر انسان اپنا مال بلاضرورت خرچ کرتا ہے اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے رکتا ہے جو اس کے لیے فوز و فلاح کا باعث بنیں گے۔ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بندہ خوف کھاتا ہے کہ اس طرح مال کم ہوجائے گا۔ مگر یہ شیطان کا ڈراوا ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (البقرۃ:۲۶۸) ''شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے''۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، لہٰذا اس کا فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے روکنا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا نہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے بلکہ مال میں برکت کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کا مشاہدہ روزمرہ زندگی میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ کوئی سخی جو اپنا مال فراخ دلی کے ساتھ ضرورت مندوں پر خرچ کرتا ہے وہ کبھی مفلس نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے رزق کو زیادہ کرتا اور برکت دیتا ہے اور اس کا یہ عمل آخرت کے اعتبار سے اس کے لیے ابدی نعمتوں کا باعث بنے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ)

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے، اور اللہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

ایمان کا دعویٰ کرنے والے شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو محدود رکھے اور زیادہ سے زیادہ مال اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرے، کیونکہ یہ مال ہی اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے گا۔ اسی بات کی تلقین قرآن مجید میں کی گئی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ﴾

(الحشر:۱۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (یعنی قیامت) کے لیے کیا سامان بھیجا ہے!''

یہ بات انتہائی اہم ہے کہ جو مال بھی انسان خرچ کرے، دیکھے کہ وہ اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بن رہا ہے یا فضول کاموں میں لگ رہا ہے۔ اُسوۂ حسنہ ملاحظہ ہو۔ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک بکری ذبح کرکے دے گئے اور گھر والوں سے کہا کہ اس کا گوشت تقسیم کردینا۔ جب آپؐ گھر واپس تشریف لائے تو بکری کے گوشت کے بارے میں دریافت فرمایا۔ بتایا گیا کہ صرف ایک دستی باقی بچی ہے۔ یعنی سارا گوشت تقسیم کردیا گیا ہے، صرف ایک دستی ہم نے رکھ لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس دستی کے سوا ساری بکری ہی بچ گئی ہے''۔ یعنی اس دستی کا گوشت تو ہم کھالیں گے اور دوسرا سارا گوشت جو لوگوں میں تقسیم کردیا ہے اس کا ثواب ہمیں ملے گا۔ گویا ہمارے کام آنے والا وہی مال ہے جو ہم نے فی سبیل اللہ دے دیا۔ جو مال ہم نے اپنی ضرورتوں پر خرچ کردیا اس کے بارے میں تو ہمیں جواب دینا پڑے گا کہ کہاں خرچ کیا۔

انسان کا رزق تو اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ اب انسان کا امتحان ہے کہ وہ جائز ذرائع سے کماتا ہے یا ناجائز ذرائع سے۔ ناجائز ذرائع سے کمانے والا تو پہلے ہی ناکام ہوگیا، کیونکہ ناجائز کمائی کسی نیک کام میں بھی لگائی جائے تو فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں جائز کمائی نیک کام میں لگائی جائے گی تو وہ قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کردے گی۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی کمائی سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز اور محدود ضرورتیں پوری کرے اور اس کا بیشتر حصہ

فی سبیل اللہ خرچ کرے تاکہ وہ اجر وثواب حاصل کرے اور آنے والی ہمیشہ ہمیشہ کی اعلیٰ زندگی پائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اور جو مال تم (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں کو ہوگا' اور تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دے دیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ بندہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمہ قرض سمجھتا ہے اور اس کا بھرپور اجر دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (التغابن)

''اگر تم اللہ کو (اخلاص اور نیک نیت سے) اچھا قرض دو گے تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اور اللہ بڑا قدر شناس بڑا بردبار ہے۔''

اللہ تعالیٰ فی سبیل اللہ خرچ کیے ہوئے ادنیٰ سے مال کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ بظاہر لگتا ہے کہ مال خرچ کرنے سے مال میں کمی آتی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا' بلکہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے درحقیقت مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح لگتا ہے کہ سود لینے سے مال زیادہ ہو جاتا ہے' مگر یہ خیال غلط ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۷۶) ''اللہ تعالیٰ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے''۔ اعمال جب تولے جائیں گے تو اس وقت فی سبیل اللہ خرچ ڈھیروں ثواب کا باعث بنے گا۔

جس طرح قرآن مجید میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اسے حقیقی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث بتایا گیا ہے' اسی طرح دولت کو گن گن کر اور سمیٹ کر رکھنے کی مذمت کی گئی ہے اور اس کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ اسے مال سے محبت ہوتی ہے' لیکن مال کی محبت کا انجام بھی واضح کر دیا گیا ہے تاکہ انسان

مال کی طلب میں ناپسندیدہ رویہ نہ اپنائے' کیونکہ مال اکٹھا کر کے جمع کرنے کی تمنا آخرت کی آگ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝﴾ (التکاثر)

''تم کو مال کی محبت کی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم جانتے یقینی طور پر (تو غفلت نہ کرتے)۔ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر اس کو ایسا دیکھو گے کہ عین الیقین آ جائے گا۔ پھر اُس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں پرسش ہوگی۔''

جبکہ سورۃ الہمزہ میں فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَي الْاَفْـِٕدَةِ ۝﴾ (الہمزہ)

''جو مال جمع کرتا رہا اور گن گن کر رکھتا رہا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔ ہرگز نہیں' وہ یقیناً جھونک دیا جائے گا حُطمہ میں۔ اور کیا تم جانتے ہو وہ حُطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے' جو دلوں پر جا لپٹے گی۔''

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: ''مجھے تمہارے معاملے میں مفلسی کا خوف نہیں' بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر اس طرح کشادہ ہو جائے جس طرح ان پر ہوئی تھی جو تم سے پہلے گزرے۔'' (مسلم)

مال کو فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنا بلکہ بچا بچا کر رکھنا اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا فی سبیل اللہ خرچ کرنا حقیقی نفع کا باعث ہے۔ مال جمع کرنا اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنا انتہائی بے وقوفی اور نرا خسارہ ہے۔ یہ جمع کیا ہوا مال قیامت کے دن سخت عذاب کا باعث بن جائے گا۔ سونا چاندی انسان کو مرغوب ہے۔ سونا چاندی جمع کر کے رکھنا اور کم ہو جانے کے خیال سے نہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا اور نہ ہی دوسرے اچھے کاموں میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے

مترادف ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (التوبۃ)

''اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو۔''

﴿يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾ (التوبۃ)

''جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں (خوب) تپایا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی' (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا' سو جو تم جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔''

اللہ تعالیٰ نے جھنجھوڑنے کے انداز میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ (الحدید:۱۰)

''اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے' حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی وراثت اللہ ہی کے لیے ہے۔''

یعنی آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ وہی ہر شے کا وارث ہے۔ جو مال کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے ایک دن وہ مر جائے گا اور اس کا مال دنیا میں رہ جائے گا۔ اول تو وارثوں کے ہاتھ آئے گا اور بالآخر اس مال کا وارث تو اللہ ہی ہوگا۔ وہ آدمی کتنا خسارے میں ہے اور اس کی حالت کتنی عبرت ناک ہے کہ وہ جو مال چھوڑ کر مر جائے گا اس کا مال اس کے وارثوں کو مل جائے گا۔ وہ اس کو اگر اچھے کاموں میں خرچ کریں گے تو ثواب کمائیں گے' مگر مال چھوڑنے والے کو کچھ نہ ملے گا۔

الغرض جائز اور پسندیدہ طرزِ عمل یہ ہے کہ روزی جائز طریقے سے کمائی جائے' اپنی ضروریات مختصر رکھی جائیں' ہر سال حساب کر کے فرض زکوٰۃ ادا کی جائے اور باقی مال زیادہ سے زیادہ فی سبیل خرچ کیا جائے۔

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org

Jan 2020
Vol.69

Regd. CPL No.115
No.1

Monthly Meesaq Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ''شعبہ تحقیق اسلامی'' (IRTS) کے زیر انتظام ابلاغِ عامہ وافادۂ عام کی ویب سائٹس

- www.tanzeemdigitallibrary.com بانیٔ تنظیم وصدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس، خطابات وتصنیفات کا جملہ تحریری مواد یونی کوڈ کے سرچ ایبل فارمیٹ (Unicode searchable format) میں دستیاب ہے۔

- www.giveupriba.com انسدادِ سود کی کوششوں کے ضمن میں جملہ معلومات، تاریخی پس منظر، عدالتی فیصلے، قرآن وسنت کے حوالہ جات، معروف تفاسیر کے اقتباسات اور شرق وغرب کے نامور مفکرین کے اقوال وتحریرات اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

- www.hafizahmedyar.com پروفیسر حافظ احمد یارؒ (سابق مدرس پنجاب یونیورسٹی وقرآن اکیڈمی لاہور) کا علمی خزانہ، قرآن مجید کی صرفی ونحوی ترکیب، بلاغتِ قرآن وآڈیو تفسیرِ قرآن اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔